ماہنامہ حیات نو

تعجب اس بات پر اعتراض نہیں ہے کہ انھیں (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو) اختلاف کیوں ہوا؟ اعتراض اس پر ہے کہ اظہار اختلاف کے لئے اس وقت کو کیوں منتخب کیا گیا، وہ بھارت میں بیٹھے شاید ان مزاحمتوں کو نہ سمجھ سکتے ہوں جو پاکستان میں نظام اسلام سے ابھر آئی ہے؟

پاکستان میں نظام اسلام کا عظیم تجربہ زیر عمل ہے۔ اب جو لوگ اس میں حقیقی مدد دے سکتے ہیں ان پر اعتماد کو متزلزل کرنا اور بتانا کہ بھائی یہ دین ہی کو ٹھیک نہیں سمجھ دین کے نفاذ میں کیا مشورہ دیں گے — تو کیا یہ دین کی خدمت ہے؟

حق تو یہ تھا کہ اس وقت دین کی عظیم تر مصلحتوں کی خاطر چھوٹے چھوٹے اختلافات کو دبا دیا جاتا، خلیفۂ راشد چہارمؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات ایک تاریخی حقیقت ہیں لیکن جب ان کو حضرت علیؓ کے خلاف معرکے کے دوران ایک نصرانی بادشاہ کا تائیدی خط ملا تو وہ غضب سے تڑپ اٹھے اور انھوں نے تمام سفارتی آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے لکھا۔ اے نصرانی کتے! تو ہمارے برادرانہ اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟ یاد رکھ اگر تو نے علی کے مقابلہ میں لشکر کشی کی حماقت کی تو لشکر کی فوج سب سے پہلا سپاہی جو تیری پیشانی پر ذلت کا سیاہ داغ لگانے کیلئے آگے بڑھے گا اس کا نام معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہوگا — (بشکریہ ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۳ جنوری ۸۰ء)

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ

عہدیداران انجمن

مولانا ابوالمکارم فلاحی —— صدر

انصار احمد فلاحی —— سکریٹری

مولانا محمد عمران فلاحی —— خازن

ارکان شوریٰ

ڈاکٹر ابرار احمد فلاحی —— اعظم گڈھ

مولانا الیاس احمد فلاحی —— نیپال

″ شفیق عالم فلاحی —— رانچی

″ شجاعت احمد فلاحی —— بستی

″ مشرف حسین فلاحی —— رام پور

″ نور محمد فلاحی —— جامعہ

″ محمد اسعد فراہی فلاحی —— علی گڈھ

″ نسیم احمد غازی فلاحی —— دہلی

″ عبدالحلیم —— اعظم گڈھ

″ اظہر ریحان —— علی گڈھ

ماہنامہ

حیاتِ نو

جلد ۲ شمارہ ۲-۳

ربیع الاول ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

مطابق

فروری مارچ ۱۹۷۹ء

مجلس ادارت

انصار احمد فلاحی (بلریاگنج) مدیر مسئول

عبداللہ فراہی فلاحی (علی گڑھ)

عبدالحی فلاحی (جامعہ ملیہ)

جاوید اشرف فلاحی (جامعۃ الفلاح)

عبیداللہ فہد (جامعۃ الفلاح)

قیمت فی شمارہ :- ایک روپیہ -/۱

سالانہ زر تعاون :- دس روپے -/۱۰

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

بلریاگنج - اعظم گڈھ

(یو، پی)

آئینہ ترتیب

۱- اپنی باتیں

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے — ادارہ — ۳

۲- ارشادات رسولؐ

ہماری ذلت و نکبت کا اصل سبب — مولانا جلیل احسن ندوی — ۶

۳- جائزہ و تبصرہ

مولانا علی میاں اور تحریک اسلامی — عبیداللہ فہد — ۱۵

اسلام کے خلاف سی آئی اے کی خفیہ سازشیں — طارق حسین فلاحی — ۲۸

۴- حرکت و انقلاب

افغانستان میں آزادی کی جنگ تیز ہو گئی — ہفت روزہ زندگی لاہور — ۱۰

خمینی کے پیامبر — مودودی کے ہمرکاب — ″ — ۳۰

وہ دور سعادت پھر آ سکتا ہے — مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی — ۳۵

۵- فن کتابت

ہمارے رسم الخط کا مصلح اعظم — بدر جمال اصلاحی — ۴۵

۶- شہ پارے

یاحسرۃً علی العباد — مولانا مفتی محمد یوسف — ۴۹

اسلام مساوات و رواداری کا مذہب — بابو برکت علی ماری پرشاد — ۱۳

اسلام ایک مکمل نظام حیات — علامہ سید سلیمان ندویؒ — ۴۸

نبی اکرم کا مشن — علامہ آیت اللہ خمینی — ۹

آداب اختلاف — چراغ راہ کراچی — ۵۵

مولانا مودودی لکھتے ہیں — مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی — ۴۴

۷- نظم

فکر و نظر — مولانا عبدالرؤف منصف مبارکپوری — ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

مسلمان قوم آج عبرت ناک حالات کے جس دور سے گذر رہی ہے، وہ ہمارے لئے بہت ہی اہم موضوعِ تفکر ہے۔

آفتاب حریت دنیا کے جس کونے میں بھی طلوع ہوا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ وہاں زندگی کے چشمے پھوٹ بہے ہیں، زندگیاں اٹھ کھڑی ہیں، قوموں کی ترقی و ترفیع کے نئے نئے دروازے وا ہوئے ہیں، وہاں نئی حرکت، نیا تب و تاب اور نئی گہما گہمی پیدا ہو گئی ہے، وہاں ایک نیا شعور، نئے جذبے جاگ پڑے ہیں، معیشت کے بند خزانے کھل گئے ہیں، وہاں طاقت و جواں مردی اور قوت و کشور کشائی کا سیلاب بے کراں اُمڈنے لگا ہے، معاشرہ تنظیمی رجحان اور اجتماعی قدروں سے مالا مال ہو گیا ہے، جہاد و اجتہاد اور ایجادات و اختراعات کی نہریں بہنے لگی ہیں، تسخیر عالم کے منصوبے تیار ہونے لگے ہیں، اپنی تہذیب، اپنے کلچر، اپنی ثقافت سے دیوانگی کی حد تک محبت پیدا ہو گئی ہے، شعر و ادب اور صحافت میں نئی روح دوڑ گئی ہے، وہاں کسی نہ کسی نوعیت کی اخلاقی قدریں، کرداری عوامل اپنا فانوس روشن کرنے لگے ہیں، وہاں جب کوئی قومی مسائل کے حل کے لئے اٹھتا ہے تو پوری قوم بے تابی سے یہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ ہو جاتی ہے ؎

ٹھہرو ٹھہرو اکیلے کہاں جاؤ گے

جب اس کا کوئی سپوت ملک و وطن کے تحفظ کی راہ میں قید و بند سے دوچار ہوتا ہے تو ایوان سلطنت پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور کہنے والا برملا کہہ دیتا ہے ؎

قید تو آپ نے فرما دیا دیوانوں کو
کہیں ایسا نہ ہو یہ توڑ دیں زندانوں کو

یہی وہ ہمہ گیر مطلوب تبدیلی ہے جس کے لئے قومیں آزادی کی جد و جہد میں سالہا سال جان و مال کی صلاحیتیں جھونک دیتی ہیں، لوگ اسی صبح انقلاب کی امید میں تیرہ چشم صفت جابر اقتدار سے ٹکر لیتے ہیں، وطن و دولت لٹا دیتے ہیں، آرام و راحت قربان کر دیتے ہیں، جیلوں

کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ضبطیوں اور قرقیوں کو دعوت دیتے ہیں، ملازمتوں سے تعطل اور نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، بیوی بچوں کی محبت سے دور ہو کر، اعزہ واقربا کی صحبت سے کنارہ کش ہو کر بھی اپنے مشن کی تبلیغ میں لگے رہتے ہیں، حتیٰ کہ دار ورسن پر بھی یہ ہنستے ہوئے لٹک جاتے ہیں ؎

ستم گر ادھر آ، ہنر آزمائیں
تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں

حریت کا یہ قافلہ راستے کے کانٹے کاٹتے رستے میں قلب و جگر کا لہو نچوڑتا ہوا "قمیص کی جگہ جا بھی پھینکتا ہوا" سالہا سال تک چلتا ہے، گالیوں، بہتان تراشیوں اور الزامات کی بوچھار میں چلتا ہے، پروپیگنڈے کے جھکڑوں میں چلتا ہے، ظلم و جبر، وحشت و بہیمیت اور درندگی و سبعیت کی کڑکتی بجلیوں اور گرجتے بادلوں میں چلتا ہے، آنسوؤں آہوں، فغانوں اور فریادوں کے سمندر سے گزرتا ہے، خون کے دریاؤں اور لہو آگ کی جھیلوں سے گزرتا ہے، اس جد وجہد میں بچوں اور عورتوں کی ہمتیں بھی شامل ہوتی ہیں، بوڑھوں اور ضعیفوں کی دعائیں بھی کام کرتی ہیں اور جانباز مردوں اور سیاست دانوں کی متاع دانش و ہمت بھی چوٹیاں سر کرتی ہیں، بالآخر منزل مقصود حاصل ہو ہی جاتی ہے، قوم ایک دن بالا جیت ہی لیتی ہے، برسوں سے راہ تکتی آنکھیں اپنے مطلوب و محبوب کو دیکھ ہی لیتی ہیں۔

مسلم ممالک اور آزادی

ترکی، حجاز، عراق، شام، الجزائر، مصر، انڈونیشیا، افغانستان اور دوسرے مسلم ممالک جو آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو چکے ہیں، ان سبھوں نے بھی بے انتہا قربانیاں دیں، جمود و تعطل، بے بسی و مردہ دلی، سیاسی و معاشی ابتری اور دوسری تمام خرابیوں کو جو انھیں گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی دور کرنے کی ٹھان لی، انھوں نے حرکت کی اور مکمل آزادی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں، خاک و خون کی ہولیاں کھیل کر سر دھڑ کی بازی لگا کر، سیاسی و معاشی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر جد و جہد کی اور آخر میں آزادی حاصل کر کے رہیں

لیکن آپ دوسرے ملکوں کو سامنے رکھ کر مسلم ممالک کے دور آزادی کو دیکھئے اور دونوں کی تعمیر و ترقی اور تخریب و بگاڑ کا تقابلی مطالعہ کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ دوسرے ممالک زمین سے آسمان پر چھلانگ لگا چکے ہیں اور ستاروں کو نوچنے کی فکر میں ہیں، روس، چین، فرانس، جرمنی، جاپان، امریکہ، ان میں سے کسی کو دیکھ لیجئے، آپ وہاں زمین و آسمان کے نقشے بدلے ہوئے پائیں گے، اگر وہاں پہلے جہالت و پسماندگی تھی تو اب تعلیم و ترقی کا دور دورہ ہو گا، پہلے معاشی غربت اور تجارتی استحصال کا شکار تھے تو اب معاشی فراوانی اور تجارتی فروغ کے حیرت انگیز مناظر نظر آئیں گے، پہلے وہاں کے عوام دوسروں کی تہذیب و تمدن کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے تھے تو اب وہ تہذیب و تمدن اور کلچر و ثقافت کے میدان میں سب سے اگلی صف میں ملیں گے، لیکن ہمارے یہاں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں جو قابل تقلید ہو، کوئی ایسی سلطنت نہیں جو

دوسروں کے لئے نمونۂ تقلید رکھتی ہو، کوئی ایسی ریاست نہیں جو آئیڈیل سوسائٹی یا با اخلاق معاشرہ پر مشتمل ہو، کوئی دیہات شہر ایسا نہیں جس کے کچھ گوشے قابل رشک ہوں، کوئی گوشہ بھی انسانیت کو سبق آموز زندگی کی ترغیب دینے والا نہیں، آج ہمارے تمام ممالک اپنے باشندوں کو معاشی اونچ نیچ، سیاسی عدم مساوات اور اقتصادی بدحالی سے نجات نہ دلا سکے، کسی خطۂ زمین میں اس نظام حیات کا جھنڈا بلند نہ کر سکے جس کے وہ داعی ہیں، کہیں بھی جاہلیت کے دبیز پردوں سے اسلام کو نکال کر اس روشنی جہاں تاب میں نہ لا سکے، جس کے وہ پاسبان ہیں، کسی ایک ریاست میں بھی عالمگیر سازشوں سے اپنے آپ کو محفوظ نہ کر سکے، کسی ایک سلطنت میں بھی اسلامی اصول، اسلامی عقائد اور اسلامی قوانین کی بالادستی تسلیم نہ کرا سکے، حالانکہ یہی ان کا مقصد وجود اور غایت زیست تھی، علم و فن اور اختراع و ایجاد کے میدان میں وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے، حالانکہ اس حیات و ممات کی دنیا میں ترقی کے راستے مہیا تھے، وہ حکام و رعایا کے درمیان حائل ہونے والی اس خلیج کو کہیں نہ پاٹ سکے جو ان کے زوال کا بہت بڑا سبب تھا، اس کے برخلاف آج ان تمام ممالک میں انسانیت روٹی کپڑے اور مکان کے لئے ترس رہی ہے، ساری آبادیاں ایمانی و روحانی فلاکتوں کا رونا رو رہی ہیں، سارے عوام خدائی قانون کے نفاذ کیلئے تڑپ رہے ہیں، وہاں حق کے داعیوں کا علی الاعلان خون بہایا جا رہا ہے، بیرونی سازشوں اور اجنبی سیاست بازی کیلئے وہاں کے دروازے پوری طرح کھلے ہیں، لیکن اسلامی سیاست و جہانبانی کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے، مغربی تہذیب و ثقافت کی اندھا دھند نقالی زور رہی ہے، لیکن اسلامی تہذیب و کلچر کو لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا جا رہا ہے ؎

ہے دین حق کی لاش پہ مسلم بھی خندہ زن
کس درجہ دردناک نظارہ ہے ساتھیو!

لمحۂ فکریہ

سوال یہ ہے کہ اس بدترین صورت حال کی وجہ کیا ہے؟ جہاں تک میں نے غور کیا ہے، آج سارے مسلمانوں کا سب سے بڑا المیہ قول و عمل کا تضاد، فکر و نظر کی عدم یکسوئی اور کردار و اخلاق کی تباہی ہے، جن قوموں نے کسی نظریۂ حیات کو مفید سمجھا، قطع نظر اس سے کہ وہ صحیح تھا یا غلط، اس کے لئے تن من دھن لٹا کر رہے، تمام نظریہ ہائے حیات سے منہ موڑ کر اس خاص نظریہ کیلئے یکسو ہو گئیں اور جد و جہد کے میدان میں اتر گئیں، اس کے برعکس مسلمان قوم کبھی یکسو نہیں ہو سکی، مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ کا شکار ہے۔ ایک طرف ہمارے سامنے مغرب کے جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری صناعی ہے لادینی نظام اور الحادی نظریہ ہے، جس کی پُر فریب چمک دمک ہماری نگاہوں کو خیرہ کئے دے رہی ہے، ہم اس کی صناعیت سے مسحور ہو کر اس کی طرف قدم بڑھاتے ہیں کہ ہمیں یاد آتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں، اسلام ہمارا ضابطۂ حیات اور قرآن ہمارا لائحۂ عمل ہے، رسول

کی زندگی ہمارے لئے قابل تقلید نمونہ اور صحابہ کرامؓ کی
سیرت مثالی سیرت ہے اور یہ سوچ کر ہم ٹھٹھک جاتے
ہیں غرضیکہ ایک جذبہ ہمیں مشرق کی طرف لے جانا چاہتا ہے
اور دوسرا مغرب کی طرف ، یعنی ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے ، کلیسا مرے آگے

راہِ نجات

نیچے دروں نیچے بروں کی اس حالت اور آدھا
تیتر آدھا بٹیر کی اس کیفیت سے نجات پانے کی صرف
ایک صورت ہے کہ ہم یا تو یہ طے کرلیں کہ ہمیں مسلمان ہی بن کر
رہنا ہے ، مکمل مسلمان ، اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات تسلیم
کرنے والا مسلمان ، اپنی خواہشات و مفادات کو اسلام
پر قربان کر دینے والا مسلمان ، اپنی تمناؤں اور آرزوؤں
کو اسلامی قالب میں ڈھال دینے والا مسلمان ، رسول
کریمؐ کی سیرت کو قابل تقلید نمونہ سمجھنے والا مسلمان —
یا مغرب کے لادینی نظام پر ایمان لائیں ، اس کے فکر
ونظر کو لائق اتباع اور قابل اطاعت سمجھیں ، اس کی
تہذیب ، اس کی ثقافت ، اس کا قانون ، اس کا عقیدہ
اپنالیں اور پھر اسلام کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھیں -
لیکن پھر ہم یہ بھی سوچ لیں کہ آخرت میں خدا
کی گرفت سے ہم کیسے بچ سکیں گے

گیا دورِ گراں خوابی

بڑی مسرت ہے کہ پاکستان و ایران نے سالہا سال کے
جمود و تعطل اور ثبات و بطالت کے بعد پھر میدان حرکت
و انقلاب میں اپنے قدم رکھ دیئے ہیں اور اپنے نظریہ حیات
اور حکومت الٰہیہ کی بازیابی کے لئے سرگرم عمل ہو چکے ہیں ۔ پاکستان
میں تو ۱۲ ربیع الاول سے نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہو چکا ہے ،
زندگی کے جملہ گوشوں کو پرنور اور تابناک بنانے کے لئے
وہاں اقدامات شروع ہو چکے ہیں ، زکوٰۃ و عشر کا نظام بھی
جولائی ۱۹۷۹ء سے قائم ہونے والا ہے ، اس وقت مصارف
زکوٰۃ کے لئے ۲۲۵ کروڑ روپئے کی منظوری بھی عمل میں آچکی
ہے جس کی اعانت میں سعودی عرب اور متحدہ عرب
امارات نے دل کھول کر حصہ لیا ہے ، تمام تعزیراتی قوانین
نافذ ہو چکے ہیں ، شراب پر مکمل پابندی لگ چکی ہے ، سود کی
لعنتوں سے پاکستانیوں کو دور رکھنے اور اس کے پنجۂ
استبداد سے نکالنے کے لئے کوششیں جاری ہیں ، خارجی
انقلاب کے ساتھ ہی پبلک کی ذہنی تعمیر کے لئے بھی اقدامات
عمل میں آرہے ہیں ، شعبۂ نشر و اشاعت سے فحش اور
سطحی قسم کی فلموں ، گانوں اور ریکارڈوں کا صفایا ہو رہا ہے
اسے پاکیزہ اور اسلامی بنانے کے لئے بہت سے اہم اقدامات
ہو چکے ہیں اور مزید کوششیں ہو رہی ہیں -

ایران بھی اس میدان میں قدم رکھ چکا ہے ، ابھی
مستقبل کے حالات کے سلسلہ میں کوئی یقینی پیشگوئی نہیں
کی جا سکتی ، لیکن توقع ہے کہ وہاں بھی نظام اسلام
کا نفاذ ہوگا اور اس کی برکتوں اور خوبیوں سے ایرانی عوام
بھی فیضیاب ہوسکیں گے -

ہماری ذلّت و نکبت کا اصل سبب

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مسلمانوں پر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب تم کو نگل جانے اور فنا کر دینے کے لئے دنیا کی قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر گرتے ہیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھا کیا اس زمانے میں ہم مسلمان کم تعداد میں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس زمانے میں تم مسلمان بڑی تعداد میں ہوگے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے، اور تمھارے دشمنوں کے سینوں میں جو تمھاری دھاک بیٹھی ہے اسے اللہ تعالیٰ کھینچ لے گا اور تمھارے دلوں میں کمزوری اور پست ہمتی پیدا کر دے گا۔ اس پر کسی نے سوال کیا یہ کمزوری اور پست ہمتی کیوں آجائے گی؟ آپ نے فرمایا، اس کا سبب یہ ہوگا کہ اس زمانے کے مسلمان محبتِ دنیا کے مرض میں مبتلا ہو جائیں گے اور خدا کی راہ میں مرنا ناپسندیدہ بن جائے گا۔

یہ حدیث بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور بطورِ خصوصیت اس دور کے مسلمانوں کو ٹھہر کر سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ آپ نے یہ حدیث صحابۂ کرامؓ کے مجمع میں ارشاد فرمائی اور اس زمانے میں ارشاد فرمائی جب عرب میں کفر و جاہلیت کا چراغ گل ہو چکا ہے اور اسلام کی روشنی پورے طور پر ہر جگہ، ہر گھر اور ہر دل کو منور کئے ہوئے ہے، دین غالب ہو چکا ہے اور اہلِ دین اتنی قربانیوں کے

نیا وہ اس دنیا میں صلہ پا چکے ہیں اور جو کچھ انھیں آخرت میں ملنا ہے اس کی خوشخبری سن چکے ہیں اور یہ حدیث آپ نے اس غرض سے بیان فرمائی کہ بعد میں آنے والے مسلمان اس خطرے سے ہوشیار ہو جائیں جن سے وہ دوچار ہو سکتے ہیں۔

یہاں پر تھوڑی دیر رک کر ذرا اپنے ماضی پر نظر ڈالیے سوچیے کہ دور اول کے مسلمان اپنی قلت تعداد اور وسائل کے فقدان کے باوجود کیوں خدا کی رحمت اور مدد کے مستحق ہوئے، کس وجہ سے اللہ نے انھیں عزت و اقتدار کا وارث بنایا، اور کیوں ایسا ہوا کہ جو لوگ عزت و اقتدار کے مالک تھے اور ہر طرح کے وسائل و ذرائع رکھتے تھے، ان لوگوں کے حصے میں کیوں ذلت و نامرادی آئی۔ یہ دنیا اندھیر نگری نہیں ہے، ظاہر ہے کوئی بات ہوگی جس کی وجہ سے اللہ نے انھیں عزت و اقتدار کا وارث بنایا اور کیوں ایسا ہوا کہ جو لوگ عزت و اقتدار کے مالک تھے اور ہر طرح کے وسائل و ذرائع رکھتے تھے ان لوگوں کے حصے میں کیوں ذلت و نامرادی آئی۔ یہ دنیا اندھیر نگری نہیں ہے، ظاہر ہے کوئی بات ہوگی جس کی وجہ سے دبائے جانے والے، پیسے جانے والے اقتدار کی مسند پر پہنچے اور اقتدار والے سرنگوں اور سربخاک ہو گئے۔

اس کی وجہ خود اوپر کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دی ہے جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغمبر بنایا اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری آپ پر ڈالی اور آپ نے یہ کام پورے جوش و انہماک کے ساتھ شروع کیا تو آہستہ آہستہ لوگ آپ پر ایمان لانے لگے اور جو لوگ ایمان لاتے وہ اس بات پر ایمان لاتے کہ اب خالق کائنات کے سوا کسی اور کی بندگی اور غلامی نہیں کرنی ہے اور اس بات کا عہد کرتے کہ خدا کی بندگی اور غلامی کی راہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قائد اور رہنما بنانا ہے۔ اسی عہد کا وہ اقرار و اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ (میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) اور تیسری چیز جس پر وہ ایمان لاتے وہ آخرت ہے، یعنی وہ اس حقیقت کو اپنے دماغ و دل میں اتارتے کہ یہ دنیا کمائی کرنے کی جگہ ہے اور اصل وطن آخرت ہے یہ دنیا گھر نہیں ہے، اصلی گھر یہاں سے دور اور آنکھوں سے اوجھل ہے، یہاں آدمی جیسی کچھ کمائی کرے گا ویسا پھل آخرت میں پائے گا۔ یہ تین بنیادی باتیں تھیں جن پر وہ ایمان لائے تھے، تاریخ گواہ ہے جس دن سے وہ ایمان لائے، اس کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ انھوں نے کبھی عہد کو نہیں توڑا، کبھی غداری اور خیانت نہیں کی۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں ظلم و ستم کی بارش ہوتی رہی، مصائب کے طوفان آتے رہے، لیکن اپنے عقیدے پر آنچ نہیں آنے دی اور جن اصولوں پر اپنی زندگی کی عمارت اٹھائی تھی انھیں متزلزل نہیں ہونے دیا، یہاں تک کہ آخر میں ان کے سامنے یہ فیصلہ کن موڑ آیا کہ یا تو ہجرت یا اسلام، یا تو یہ علاقہ چھوڑ دو، اپنا وطن چھوڑ دو

اپنا زندگی بھر کا اثاثہ چھوڑ دو، یا پھر اپنے ایمان و اسلام سے دست کش ہو، لیکن انھوں نے کہا، ہم سب کچھ قربان کر سکتے ہیں، ایمان و اسلام کی قربانی نہیں دے سکتے۔ پھر تاریخ ان کے سامنے ایک دوسرا موڑ لے آئی کہ ہم تم کو اور تمھارے دین کو تلوار کے زور سے فنا کر دیں گے۔

انھوں نے کہا ہم جیتے جی ایسا نہ ہونے دیں گے، یا تو ہم جانیں دے دیں گے، یا تمھاری جانیں لے لیں گے جب تک ہمارے جسموں میں جان باقی ہے، اس وقت تک اسلام کے حلقوم تک تمھاری تلواروں کو ہم نہیں پہنچنے دیں گے ۔۔۔ یہ جانی و مالی قربانیوں کا دور نو دس سال تک ممتد رہا، لیکن انھوں نے کسی قربانی سے جی نہیں چرایا، نہ منہ چھپایا، جب وہ عہد بندگی کے ہر امتحان میں کامیاب ہوئے تب اللہ کی مدد آخری طور پر آئی اور کفر و جاہلیت کا زور ٹوٹ گیا، ان کے لئے رب کائنات کی عدالت سے حیات (زندگی) کا اور ان کے لئے موت کا فیصلہ ہوا۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے اتنے شدید زلزلوں میں بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے؟ کس نے انھیں ٹھوس پہاڑ اور نہ ہلنے والا پہاڑ بنائے رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حبّ آخرت سے سرشار تھے، یہ حقیقت ان کے دل میں اتر گئی تھی کہ یہ دنیا پردیس ہے، ہمارا دیس تو کہیں اور ہے، ہم یہاں کمائی کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور جب تک وہ اس پردیس میں رہے دیس کو بھولے نہیں، برابر اس کی یاد آتی رہی، حبّ وطن کی آگ برابر ان کے سینے میں دہکتی رہی، وہ جانتے تھے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے، اس کے بعد اصلی وطن کو لوٹنا ہے، مالک کے حضور جانا ہے، اسے منہ دکھانا ہے اور کمائی اس کے سامنے رکھنی ہے، اگر نہ کمائیں گے، یا کمائیں گے تو کنکر پتھر اور سانپ بچھو اپنی جھولی میں بھر کر لے جائیں گے تو مالک کو کیسے منہ دکھائیں گے اور کیا جواب دیں گے۔ یہ ہے جس کی فکر انھیں زندگی بھر رہی، اس لئے انھوں نے ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا، ہر تکلیف کو جھیل لے گئے اور ان کے ایمان و اسلام نے ان سے جس قربانی کا مطالبہ کیا اسے تمام و کمال پورا کیا، یہاں تک کہ جان جیسی پیاری اور قیمتی چیز کی قربانی ان کی سب سے بڑی آرزو بن گئی۔ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (ہم نے ان کو نکھارا ایک خلوص والی چیز کے ذریعہ یعنی گھر (آخرت) کی یاد کے ذریعہ) اور فرمایا۔ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) آخر کار جب انھوں نے سب کچھ اللہ کے لئے کھو دیا، تب اللہ نے انھیں اس سے زیادہ اس دنیا میں دیا جتنا انھوں نے کھویا تھا، زمین کی وراثت انھیں بخشی گئی اور وہ عروج انھیں نصیب ہوا جس کا وہ تصور تک نہیں کرتے تھے۔

اوپر کی تفصیل سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آئی کہ دور اول کے مسلمانوں کے عروج و اقبال کا راز کیا ہے؟

اور اس سوال کا جواب بھی ملا کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کے حصے میں پستی و نکبت کیوں آئی ہے؟ ان کے پیشوا، عہدِ نبوت اور عہدِ خلافت کے مسلمان، آخرت کی محبت سے سرشار تھے اور ہم لوگ عشقِ دنیا کے مارے ہوئے لوگ ہیں، وہ خدا کی راہ میں جان تک کی قربانی پیش کرنے کو بیتاب رہتے تھے، اور ہمارے نزدیک خدا کے لیے۔ خدا کے دین کے لیے قربانی پیش کرنا مکروہ ناپسندیدہ اور ناگوارِ خاطر، پھر خدا اپنی رحمت و نصرت سے کیوں نوازے اور برکتوں کے دروازے کیوں کھولے اس کی تائید و نصرت ہمیں اسی وقت مل سکتی ہے جب ہم عشقِ ایمانی اور حبِ آخرت سے سرشار، اس کے دین کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ یہاں یک طرفہ معاہدہ نہیں ہے، جب تم اللہ کے مددگار بن کر اٹھو گے تب اللہ کی مدد تم کو ملے گی اور پھر تمہارے قدم اکھاڑے نہ جا سکیں گے۔

نبی اکرمؐ کا مشن

(علامہ آیت اللہ روح اللہ خمینی)

علامہ آیت اللہ روح اللہ خمینی ایران کے عوامی اسلامی رہنما ہیں، موصوف نے اپنی پوری زندگی جہاد میں گذاری ہے، انھوں نے اپنے سیاسی تصورات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی ہے الحکومة الاسلامیه ذیل کے اقتباسات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت سے ہمیں دو باتیں صاف طور پر ملتی ہیں، ایک یہ کہ آپ نے ایک نظام حکومت قائم کیا۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ سوسائٹی کے تمام نظم و نسق کی سربراہی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ آپ نے مختلف صوبوں کے اندر گورنر بھیجے، لوگوں کے جھگڑے چکانے کے لیے آپ نے مجلس قضا منعقد کی اور ملک کے گوشے گوشے میں قاضی بھیجے، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں، دوسری حکومتوں اور قبائل کے سرداروں اور بادشاہوں کی طرف سے آپ نے سفرا بھیجے، آپ نے معاہدات کیے، جنگوں میں آپ نے قیادت کی، الغرض آپ نے ہر لحاظ سے اسلامی احکام کی تنفیذ فرمائی، دوسرے یہ کہ آپ نے اللہ کے حکم سے اپنے بعد خلافت کا اجرا کیا تاکہ آپ کے بعد یہ سلسلہ جاری رہے۔ خلافت کا اجرا اس امر کی دلیل ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے بعد اسلام کی حکمرانی قائم رہنی چاہیے، چونکہ خلافت کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہے، اس لیے اسلامی حکومت اور اس کے جملہ قوانین اور ادارے بھی حکمِ خداوندی کے تحت ہی آتے ہیں اور ان کا وجود میں لانا بھی ناگزیر ہے۔"

ہفت روزہ زندگی لاہور کے نمائندہ خصوصی
عبدالہادی احمد کا آنکھوں دیکھا حال!

افغانستان میں آزادی کی جنگ تیز ہو گئی

افغانستان میں جب سے کمیونسٹ حکومت برسرِ اقتدار آئی ہے، ایک دن کے لئے بھی امن و امان قائم نہیں ہو سکا۔ شمال میں سطحِ مرتفع پامیر سے لے کر جنوب میں بلند تعیل تک احتجاج، مظاہروں اور مسلح جد و جہد کا ایک غیر مختتم سلسلہ جاری ہے خاص طور پر مشرق کے دو صوبے لغمان اور کنڑ کے علاقے تو کمیونسٹوں کے خلاف ناقابلِ تسخیر قلعوں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، انہی دو صوبوں میں نورستان کا وہ کوہستانی علاقہ واقع ہے جہاں کوہ ہندوکش کی فلک بوس چوٹیاں ہیں، گھنے جنگلات ہیں، شور مچاتی آبشاریں ہیں اور سرسبز وادیاں۔ کابل کے شمال مغرب میں دو سو کلو میٹر دور یہ علاقہ پہاڑی سلسلوں میں اس طرح گھرا ہوا ہے کہ باہر سے آنے والا کوئی حملہ آور آسانی سے ان پر دسترس حاصل نہیں کر سکتا، ذرائع آمد و رفت نہ ہونے کے برابر ہیں، ایک کچی سڑک نیچے کی طرف جلال آباد سے اوپر کی طرف فیض آباد تک جاتی ہے مگر اسے کاٹنا چنداں مشکل کام نہیں، اس علاقے میں راسخ العقیدہ مسلمان بستے ہیں، ان کی صدیوں پرانی روایات ہیں اور منفرد کلچر ہے، وہ کسی اجنبی ازم اور غیر ملکی نظام کو اپنے ہاں برداشت نہیں کر سکتے۔

ہمارے ملک میں کمیونسٹ یا بخصوص روسی لابی کے کچھ اخبار نویس گزشتہ چند مہینوں میں بار بار کابل جا رہے ہیں، وہاں سرکاری ضیافتوں کے مزے اڑاتے، چند فوٹو کھنچے اور چلے آتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر یہ نوید سناتے ہیں کہ وہ کابل کے بازاروں میں امن و سکون دیکھ کر آ رہے ہیں اور لوگوں نے دکانوں اور ٹیکسیوں پر ترہ کی کی تصویریں سجا رکھی ہیں وغیرہ — اس جھوٹے پروپیگنڈے سے شاید ان کا اپنا ضمیر مطمئن ہو جاتا ہو گا، مگر وہ زندہ حقیقتوں کو کیسے چھپا سکتے ہیں؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ افغانستان صرف کابل شہر کا نام ہی نہیں، اس میں قلعۂ وامر کی بلندیوں سے لیکر دشت مارگو کی انتہاؤں تک ہزاروں دوسری بستیاں، قصبے اور شہر بھی آباد ہیں، ڈیڑھ ہزار کلو میٹر لمبے پہاڑی اور صحرائی علاقے میں ایسی قوم آباد ہے جو صرف اور صرف مسلمان ہے اور اسلام کے سوا دوسرے کسی ازم پر یقین

نہیں رکھتی ۔ جو لوگ باہر سے درآمد کردہ نظام کو ان پر مسلط کرنا چاہتے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں اور وہ محض بندوقوں اور ٹینکوں کے سہارے زندہ ہیں ۔ عوام کی اکثریت ان کے خلاف ہے اور محض زبان سے ہی ان سے نفرت کے اظہار پر اکتفا نہیں کرتی ، بلکہ ہتھیار اٹھا کر ان کے خلاف عملی جد و جہد کا آغاز بھی کر چکی ہے ۔ کنڑ اور لغمان صوبوں کو کابل کے حکمراں اپنے روسی مشیروں ، ماہرین ، اسلحے اور فوجوں کی کثرت کے باوجود ابھی تک مسخر نہیں کر سکے ۔

بات نورستان سے شروع ہوئی تھی ، نورستان کا علاقہ پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ شمال میں کامدیش سے لیکر جنوب میں بری کوٹ چغہ سرائے تک ، اور مغرب میں پنج شیر کی پہاڑیوں تک پھیلا ہوا ہے ۔ اس علاقے میں اپریل کے انقلاب کے اثرات قدرے تاخیر سے پہنچے ، مگر جب علماء کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں تو لوگوں میں احتجاج کی لہر دوڑ گئی ، علماء نے جہاد کا اعلان کر دیا ، جمعیت اسلامی افغانستان کے رضا کار پہاڑوں اور وادیوں میں پھیل گئے اور انھوں نے لوگوں میں جہاد کی روح پھونک دی ۔ لوگ ان رضا کاروں سے اخوان المسلمون کے نام سے پہلے ہی واقف تھے ۔ پہلی جھڑپ کامدیش کے علاقے میں ہوئی ، کمانڈروں کی چھاپہ مار جماعتیں منتشر کر دی گئیں اور سرکاری اہل کاروں کو بھگا دیا گیا ، مقامی پولیس اور فوج بھی بھاگ گئی اور سرکاری دفاتر پر نورانی مجاہدوں کا قبضہ ہو گیا ۔

تین دن میں تیس کلومیٹر

ابتدائی کامیابی سے رضا کاروں کے حوصلے بڑھے اور انھوں نے جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ۔ کابل میں اس صورت حالات سے نپٹنے کے لئے فوری فیصلہ ہوا ۔ ایک گیریزن فوج مارٹروں ، ٹینکوں ، آرمرڈ گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے ساتھ نورستان بھیجی گئی ، دوسری طرف نورستانی رضا کار تھے جن کے پاس مقامی ساخت کے ہتھیار تھے ، بہت تھوڑا ایمونیشن تھا ، مگر ایمان کے جذبے فراواں تھے ، لڑائی کا آغاز ہوا ، مجاہدین اچھی بہتر پوزیشن کی وجہ سے سرکاری فوجوں کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب رہے ، نورستانی کامدیش کی طرف بلندی پر تھے اور کمیونسٹ فوج بری کوٹ کی طرف پستی کی جانب ، نورستانی آگے بڑھے اور کمیونسٹ پیچھے ہٹے ، رضا کاروں نے تین اطراف سے یلغار کی ، تو فوج کے لئے جان بچانا مشکل ہو گیا ، تین دن تک جنگ جاری رہی ، سرکاری فوجیں آرمرڈ گاڑیوں کی پناہ لے کر پیچھے بھاگ رہی تھیں اور نورستانی ان کی چھوڑی ہوئی چیزوں پر قابض ہو رہے تھے ، تین دن میں تیس کلومیٹر سفر طے ہوا ۔ راستے میں سرکاری فوج کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا ۔ چار سو کے قریب فوجی مارے گئے اور جو پکڑے گئے ان میں منتخب یونٹوں کو چھوڑ کر ایک پوری کمپنی بھی تھی ، پانچ سو گنیں ، تین وائرلیس سیٹ اور پانچ آرمرڈ گاڑیاں بھی نورستانی رضا کاروں کے ہاتھ لگیں ۔

انقلابیوں کی یہ عبرت ناک شکست اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل تھی کہ اس سے نورستان کے ناپختہ اور غیر منظم عوام کو اپنی قوت کا اندازہ ہوا ، انھوں نے گروہی اور قبائلی جھگڑے مٹا دئے اور مشترکہ دشمن کے خلاف متحد

ہو گئے۔ اس لڑائی میں انھوں نے بے پناہ ایثار کا مظاہرہ بھی کیا، جب رضا کاروں کے پاس ایمونیشن ختم ہو گیا تو نورستان کے لوگوں نے اپنے مال، مویشی، زمین اور دیگر قیمتی ساز و سامان تک فروخت کر کے انھیں ایمونیشن فراہم کیا، ساڑھے چار سو کے قریب جو سرکاری فوجی پکڑے گئے، وہ آج بھی نورستان کے اصلاحی کیمپوں میں ہیں اور اپنی تباہ کردہ بستیوں کی تعمیر و ترقی میں نورستانی رضا کاروں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

بری کوٹ کی جنگ

پہلی ہزیمت کے بعد کابل سے تازہ کمک کے ساتھ نیا حملہ کیا گیا، اس دفعہ حملے کی شدت کا یہ عالم تھا کہ متعدد ہوائی جہازوں نے نورستان کی بستیوں اور قصبوں پر مسلسل بمباری کی، نیپام بم پھینک کر کئی بستیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا، اس بمباری سے جانی نقصان بھی ہوا لیکن کم، اس لیے کہ عوام پہلے ہی ان بستیوں کو خالی کر کے پہاڑوں میں پناہ گاہیں تلاش کر چکے تھے، تازہ حملے کا ہدف زیادہ تر آبادیاں اور بستیاں تھیں۔ نورستانی مجاہدین نے بھی اپنی فوجی حکمت عملی تبدیل کر دی اور چھاپہ مار دستے ترتیب دے کر سرکاری فوج میں بھگدڑ مچانی شروع کر دی۔ اچانک کسی پہاڑی چوٹی سے کوئی ڈائنامیٹ آتا اور کچھ فوجی مارے جاتے، کوئی گاڑی الٹ جاتی۔ کامدیش کی لڑائی میں حاصل کیا ہوا اسلحہ بہت کام آیا، بری کوٹ کی وادی میں جب دو بدو معرکہ ناگزیر ہو گیا تو رضا کاروں نے اپنی تمام قوت مجتمع کر لی۔ پوزیشن یہ تھی کہ بری کوٹ وادی کے ایک پہاڑ پر سرکاری افواج تھیں اور بالکل سامنے دوسرے پہاڑ پر نورستانی رضا کار۔ سرکاری فوج ہر لحاظ سے بہتر پوزیشن میں تھی۔ روس کی تیار کردہ مارٹر گنیں، توپیں اور دو مشہور عالم گنیں گرنکوف اور پاپشیا ان کے پاس تھیں، خوفناک بم برسانے والے جیٹ طیارے اور شیلنگ کرنے والے ہیلی کاپٹر بھی ان کی پشت پر کور دے رہے تھے۔ مگر میدان پھر بھی جذبۂ ایمان رکھنے والوں کے ہاتھ رہا۔ سرکاری فوجی اپنے ہی بھائی بندوں پر حملہ کرنے سے کتراتے تھے، تازہ شکست کے بعد سرکاری فوجوں کو بری کوٹ اور آگے کی کئی وادیوں سے نکال دیا گیا، یوں کنڑ صوبے کے وسط تک نورستانی مجاہدین کا "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کا پرچم لہرانے لگا۔

پیچ وادی کی جنگ

کامدیش اور بری کوٹ کی وادیوں میں مار کھانے کے بعد حکومت نے نورستانیوں کو پیچ ندی کی وادی میں سزا دینے کا پروگرام بنایا، چغہ سرائے نامی قصبے کے قریب داتہ پور کے علاقے میں زوردار معرکہ ہوا، یہ علاقہ کنڑ کے شمال اور کامدیش کے جنوب مغرب کی جانب ہے۔ اس جنگ میں علاقے کے دوسرے قبائل بھی نورستانی رضا کاروں سے مل گئے۔ دائی گل اور صافی قوم نے بھی اتحاد کر لیا، رضا کاروں نے اس علاقے کی واحد سڑک کو کاٹ دیا، بڑی بڑی چٹانیں لڑھکا کر سرکاری فوجوں کو پیش قدمی سے روک دیا اور مقامی دفاتر پر قبضہ کر لیا گیا۔

ہوائی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے بمباری کی روک تھام یہاں بھی دہرائی گئی، ایک ہیلی کاپٹر ۔۔ سے ۔۔ گرا لیا گیا سرکاری فوجوں کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور وہ سیکڑوں فوجی اور اسلحے کے نقصانات کے ساتھ پیچھے ہٹ گئیں مگر یہ جولائی کے مہینے کی بات تھی۔

گذشتہ ماہ سرکاری فوجیں تازہ قوت کے ساتھ پھر حملہ آور ہوئیں تب سے اس علاقے میں جنگ جاری ہے، مقامی رضا کاروں کے پاس ایمونیشن کے ذخائر ختم ہو رہے ہیں، برفانی موسم میں جبکہ درجہ حرارت صفر سے کئی درجے نیچے ہے، یہ لوگ بغیر مناسب گرم کپڑوں کے پہاڑوں میں کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہیں ان کے جوتے اور موزے پھٹ چکے ہیں اور انھوں نے پاؤں پر جانوروں کی کھالیں لپیٹ رکھی ہیں، اسلحے کی کمی کی تلافی وہ پتھر اور چٹانیں لڑھکانے کے ذریعے کرتے ہیں۔ بڑی بڑی چٹانیں لڑھکا کر وہ کئی گاڑیوں کو تباہ کر چکے ہیں۔

شدید ناکہ بندی کی وجہ سے وہ اپنے لئے مناسب خوراک تک حاصل نہیں کر پاتے۔ مگر ایمان، عسکری جذبے اور اتحاد کی بدولت ان کے قدم مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں انھیں یقین ہے کہ جب تک برفانی ہوائیں چلتی رہیں گی، کابل کی طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہوگی، موسم کی تبدیلی سے پہلے شاید حالات میں کوئی تبدیلی آجائے، بالفرض انھیں نئی جنگ بھی لڑنی پڑی تو فکر نہیں، ان کے حوصلے جوان ہیں، ان کے جذبے تابندہ ہیں۔

(مرشد:- فضیل اقدس غزالی نہم)

اسلام — مساوات و رواداری کا مذہب

بابو گنگا دھاری پرشاد بی اے۔ ایل ایل بی نے جلسۂ سیرت ڈیری ماشوان میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: —

"حضرات! یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن یہ کونسی تلوار تھی؟ کیا یہ آہنی تلوار تھی؟ نہیں، وہ محمد صاحب کے انتہائی گراں بہا اخلاق و عفو، پاکیزہ اخلاق و خصائل، ان کے بے بہا اوصاف، ان کی قیامت تک مٹنے والی اور سبق آموز تعلیمات کی چمکتی دمکتی تلوار تھی، جس نے گردنیں کاٹنے کی جگہ دلوں کو ایک رشتہ میں جوڑ دیا، اسلام کی شہرت اور قبولیت کے یہی اسباب ہیں، ورنہ کوئی شے جو زبردستی اور ظلم کی بنیاد پر قائم کی جاتی ہے دیرپا اور بار آور ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت محمد صاحب کی بے انتہا عمدہ تعلیمات و اخلاق ہی کے یہ کرشمے ہیں کہ اسلام اب تک قائم ہے اور مجھے یہ اقرار کرنے میں کچھ بھی باک نہیں ہے کہ حضرت محمد صاحب کا مذہب ہی اپنی تعلیمات کی بنا پر آج دنیا میں سب سے زیادہ عام پسند مذہب ہے۔"

(تحریک مدرسی ص ۴۹)

فکر و نظر!

عبدالرؤف منصف مبارکپوری (جامعۃ الفلاح بلریاگنج)

جو موت سے گھبرائے وہ پروانہ کہاں ہے — اک جاں کے سوا عشق کا نذرانہ کہاں ہے
اس محفلِ نو کا مجھے ساغر نہیں مطلوب — اس چشمِ دل افروز کا پیمانہ کہاں ہے
کھل جاتی ترے دل پہ دو عالم کی حقیقت — سینے میں مگر جلوۂ جانانہ کہاں ہے
الجھے ہوئے گیسوئے جہاں بانیٔ عالم — سلجھیں گے مگر دین کا وہ شانہ کہاں ہے
بے کیف ہے کیوں دل کیلئے مے تری ساقی — پہلے کی وہ مے اور وہ پیمانہ کہاں ہے
ہے اس کے تغافل سے عیاں دید کی دعوت — دیکھے تو کوئی عاشقِ دیوانہ کہاں ہے
ساقی کی نظر سے ہے رسائی تری ورنہ — اے شیخ ترے واسطے میخانہ کہاں ہے
جادو ہو بیک حسنِ نظر جس کا دلوں پر — وہ یار تری نرگسِ مستانہ کہاں ہے
انساں نے ترقی کے یہ زینے جو کئے طے — یاں زینۂ اخلاق کریمانہ کہاں ہے
ہیں سلکِ جہاں بانیٔ مغرب میں جو موتی — ان میں سے کوئی امن کا دُردانہ کہاں ہے
ہر بات میں اک فکر ہے ہر چیز میں جلوہ — اس پر بھی نہ جو سمجھے وہ فرزانہ کہاں ہے
ہیں خود ہی ابھی لائقِ الطاف نہیں ہوں — ورنہ وہ مرے حال سے بیگانہ کہاں ہے

حجابات بھی ہے حسنِ حقیقت کی ادا ہے
منصف مرے افکار میں افسانہ کہاں ہے

مولانا علی میاں اور تحریک اسلامی

محمد عبید اللہ فہد فلاحی

مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی صرف ہندوپاک ہی میں نہیں بلکہ دنیائے عرب اور دنیائے اسلام کی مشہور شخصیت ہیں۔ آپ کی تحریروں میں جو سوز دروں، خیرخواہانہ تڑپ اور طفلِ مار گزیدہ کا سا اضطراب پایا جاتا ہے وہ ان کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتا ہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ، پیہم جدوجہد اور مسلسل دوڑ دھوپ کے نتیجے میں نوجوان جس تیزی سے اسلام کی طرف لپک رہے ہیں اور امت مسلمہ نیند سے بیدار ہو رہی ہے وہ ہر صاحب نظر کو تشکر و امتنان کے جذبات سے معمور کر دیتی ہے۔ "تاریخ دعوت و عزیمت" "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" اور ایسی ہی دیگر آپ کی تصنیفات ہیں جنھوں نے عالم اسلام کو بیدار کرنے میں بڑا موثر رول ادا کیا ہے، اس لئے مجھ جیسے کم علم اور حق کے متلاشی طالب علم کے لئے آپ سے عقیدت مندانہ تعلق کا نہ صرف یہ کہ باعث فخر ہے بلکہ توشۂ آخرت بھی ہے۔ جب میں نے یہ سنا کہ مولانا محترم نے مولانا مودودی کی تحریروں کے سلسلے میں کچھ مفید تنقیحات "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" کے نام سے پیش کی ہیں تو ان سے استفادہ کرنے کا بڑا اشتیاق پیدا ہوا اور بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آپ کی یہ نئی تصنیف دستیاب ہو سکی۔ ملتے ہی دو نشستوں میں میں نے پوری کتاب ختم کر دی اور پھر تین بار مزید مطالعہ کیا۔ قابل غور مقامات پر غور و فکر بھی کیا، حوالہ جات کی طرف بھی رجوع کیا، مولانا مودودی کے بیش قیمت لٹریچر کو پھر سے دہرایا، اپنے بزرگوں، اہل علم اساتذہ و مصنفین حضرات سے بھی استفادہ کیا۔ الحمد للہ! پوری کتاب میں متانت و سنجیدگی کا معیار بہت بلند ہے، مولانا مودودی کی ذات اور ان کی تحریروں پر علماء و اکابر قوم کی طرف سے جو بیجا الزامات لگائے گئے ہیں اور ان پر رکیک اور بازاری تنقیدیں ہوئی ہیں، خدا کا شکر ہے کہ ان تمام خرافات سے اس کتاب کا دامن کسی حد تک پاک ہے۔ البتہ پوری کتاب کے مطالعہ کے بعد اس لحاظ سے بڑی مایوسی ہوئی کہ کوئی نئی بات سامنے نہ آ سکی اور مولانا علی میاں کے کچھ نئے تنقیدی نقطۂ نظر اور معلومات سے واقف ہونے کا جو داعیہ پیدا ہوا تھا وہ بھی

رہ گیا۔ ذہن میں یہ سوال بار بار پیدا ہوا کہ جب یہ ساری باتیں مخالفین پہلے ہی لکھ چکے ہیں تو مولانا علی میاں نے انہیں سوالات کو دہرانے کی زحمت کیوں مول لی، لیکن اس کا کوئی جواب نہ مل سکا، پھر یہ دیکھ کر اور بھی کوفت ہوئی کہ ان اعتراضات کے تو جوابات دیے جا چکے ہیں، ان کی کافی وضاحت ہو چکی ہے، عبادات، تصوف اور اسی طرح کے دیگر مسائل میں خود مولانا مودودی صاحب کافی لکھ چکے ہیں پھر ان اعتراضات کو اٹھانے کے کیا معنی ہیں اور ان وضاحتوں اور تشریحات کو چھوڑ دینے کا کیا مطلب ہے؟ پھر مولانا مودودی کی مفید مطلب تحریروں کو اخذ کرنا اور ان کی دیگر صفحات میں پھیلی ہوئی تحریروں کو چھوڑ دینے کا کیا مطلب ہے اور پھر غیر مرادی مفہوم نکال لینا آخر تقویٰ و دیانت کی کون سی قسم ہے اور کیا یہ سب حق پرستی، آخرت پسندی اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ کیا گیا ہے، کیا مولانا محترم کی یہ کاوشیں اس بات کی غمازی نہیں کرتیں کہ۔ ع

کوئی روپوش ہے اس پردۂ زنگاری میں

الدین النصیحۃ کا اولین تقاضا

مولانا علی میاں نے پیش لفظ میں اپنی اس کتاب کو علمی و اصولی تبصرہ و جائزہ بتاتے ہوئے لکھا ہے: -

"یہ نہ مناظرہ کے انداز میں لکھی گئی ہے نہ فتنہ و فساد کی زبان میں، وہ ایک اندیشہ کا اظہار ہے اور الدین النصیحۃ (دین خیر خواہی کا نام ہے) کے حکم پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش اس کی کوئی سیاسی غرض ہے نہ کوئی جماعتی مقصد ..... (حوالہ بالا ص۱۵)

ہم مولانا علی میاں کے اس جذبۂ خیر خواہی کی قدر کرتے ہیں اور ان کے اس علمی احتساب کو تعظیم کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اس لئے کہ اجتماعی انحرافات و تحریفات سے بچنے کیلئے بے غرض تنقید اور علمی احتساب ضروری ہے، رائے عامہ بیدار ہونی چاہئے اور ہر علم و فضل والے کو تنقید و احتساب کا موقع ملنا چاہئے کہ قوموں کی بقا کا راز اسی میں مضمر ہے، کسی کی عظمت و شخصیت اور اعتقاد و شیفتگی میں صد درجہ غلو انتہائی ہلاکت ہے، اس سے تمام ہی افراد کو بچنا چاہئے۔

مولانا علی میاں لکھتے ہیں کہ مولانا مودودی نے عبادات وغیرہ کے سلسلے میں جن خیالات و تحقیقات کا اظہار کیا ہے اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ: -

"جو جماعت اس لٹریچر کے اثر سے تیار ہوگی اور اس کا ذہنی رابطہ کسی اور ماحول سے نہیں ہوگا اس کا ایک نیا دینی مزاج بنتا جائے گا جو اس مزاج سے مختلف ہوگا جس کو تربیت و صحبت نبوی، اسوۂ رسولؐ اور صحابۂ کرامؓ کی اقتدا نے تیار کیا اور جو علیٰ سبیل التوارث اس وقت تک چلا آ رہا ہے اور اس طرح اس کی فکر و عمل کی گاڑی اس پٹری سے ہٹ کر جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور ان کے تابعینؒ و تابعینؒ نے ڈالا تھا ایک دوسری پٹری پر پڑ جائے گی"
(حوالہ بالا ص۱۵)

ہم آگے اس نئے دینی مزاج پر بحث کریں گے اور مولانا مودودی کی تحریروں کے آئینے میں اسے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس وقت ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ تبلیغی نصاب یا شبہ مولانا علی میاں کی نظر سے گزری ہوگی اس میں مستحق جنت کے حصول کے جو طریقے بتائے گئے ہیں کیا ان کا مطالعہ کر کے مولانا اپنا مزاج مزاج نبوی کو ہم آہنگ کر سکتے ہیں؟ کیا اس تو باطل قوتوں کے خلاف نبرد آزمائی اور طاغوت سے جنگ کا کوئی تصور بھی باقی نہیں رہا؟ جبکہ مولانا علی میاں اپنے مضمون میں لکھ چکے ہیں:-

"لیکن اسلام مسیحیت کی طرح چند عقائد اور چند مذہبی رسوم کا نام نہیں، جو ہر نوعیت کے تمدن میں ہر قسم کے قانون اور ہر قسم کے نظام حکومت کے تحت، ہر طرز زندگی کے ساتھ برتے جا سکتے ہوں، وہ تو ایک جامع نظریہ حیات ہے جس کی بنیاد پر عقائد، افکار، اخلاق، تمدن، معیشت، سیاست اور تعلقات بین الاقوام کا پورا نظام اپنے تمام شعبوں کے ساتھ بنتا ہے، اس کا دین اس کی دنیا سے جدا نہیں، اس کا اخلاق اس کی سیاست سے الگ نہیں، اس کے عقائد اس کے قانون سے بے تعلق نہیں، اس کی عبادت، معاشرت و معیشت سے غیر مربوط نہیں وہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا ایک متحد الاجزاء نظام فکر و عمل ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے سے کاٹ کر الگ نہیں کئے جا سکتے اور ایک جز کو رد کر کے دوسرے جز کو قبول کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔" (ترجمان القرآن جلد ۶۱ عدد ۱)

اب میں بڑے ادب سے پوچھتا ہوں کہ تبلیغی نصاب اور اسی طرح کی دیگر کتابوں کا مطالعہ کرنے سے نظام اسلام کے تمام گوشے سامنے آتے ہیں؟ کیا معاشرت، معیشت، سیاست یہاں عبادات سے غیر مربوط نظر نہیں آتے کیا ایک جز کو قبول کر کے دوسرے جز کو رد نہیں کر دیا جاتا اسلام کا وہ ہمہ گیر مفہوم جو اوپر بیان کیا گیا ہے، کیا اس کی ادنیٰ جھلک بھی یہاں نظر آتی ہے؟

اگر مولانا علی میاں کو عنداللہ مسئولیت اور شہادت حق کا خیال تھا، دین کی خیر خواہی کے تقاضے کے تحت تبصرہ فرمایا تھا تو پھر جماعت تبلیغ اور اس کے لٹریچر پر اولین فرصت میں تبصرہ و تنقید کرنا چاہئے تھا لیکن ایسا آپ نے نہیں کیا۔ تو کیا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ یہاں کوئی اور مقصد اور مفاد پس پشت کام کر رہا ہے۔

اب آئیے اصل کتاب کا مطالعہ شروع کیا جائے۔

"کیا قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صدیوں تک پردۂ خفا میں اور اسلام کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور رہی؟" یہ وہ پہلا عنوان ہے جو محترم مولانا نے اپنی کتاب میں قائم کیا ہے، اور "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" سے چند سطریں نقل کر کے مندرجہ بالا سوال اٹھایا ہے مولانا مودودی نے "الٰہ" "رب" "عبادت" "دین" کا صحیح مفہوم بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

"لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں

تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا، اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لئے "الٰہ" اور "رب" اور "دین" و "عبادت" کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے" (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۶)

یہ ہے مولانا مودودی کی وہ عبارت جسے رائی سے پربت بنا کر پیش کیا گیا ہے اور جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

"قرآن مجید کی حقیقت اس طویل مدت تک امت کی زیادہ محتاط الفاظ میں امت کے اکثر افراد کی نگاہ سے اوجھل رہی"

(عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح صفحہ ۲۲)

پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

"یہ نتیجہ اگرچہ بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم اور سنگین نہ معلوم ہو، لیکن اس کے اثرات ذہن و دماغ اور طرز تفکر پر بڑے گہرے اور دور رس ہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کی صلاحیت کے بارے میں شک و شبہ پیدا کر دیتا ہے جو نہ صرف اس دین و پیغام کی حامل ہے، بلکہ اس کو دنیا میں پھیلانے، اس کی تشریح کرنے اور اس کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس امت کی گذشتہ تاریخ اس کے مجددین مصلحین اور مجتہدین کے علمی و عملی کارنامے بھی مشکوک اور کم قیمت ہو جاتے ہیں" (حوالہ بالا صفحہ ۲۳)

عقل سلیم کی شہادت

مولانا مودودی کی تحریروں کو ذہن میں رکھئے اور عقل کے صحرا میں گھوڑے دوڑائیے۔ آپ وہ مفہوم کہیں سے نہیں نکال سکتے جو مولانا علی میاں نے منطق کی کڑیوں سے پیدا کیا ہے۔ کیا نعوذ باللہ مولانا مودودی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پوری امت ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتی رہی اور کوئی ایک فرد بھی ہدایت کی راہ دکھانے والا پیدا نہ ہوا۔ لوگ گمراہی کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے اور خدا نے اپنے دین کی تجدید و احیاء کا کوئی بندوبست نہیں فرمایا جبکہ اس کا وعدہ فرما رکھا تھا؟ کیا مولانا مودودی سر آمد روزگار علماء مدونین علوم و فنون اور اذکیائے عصر کی نفی کرنا چاہتے ہیں؟ اور ان کی کوششوں، دعوت دین کے لئے ان کی جان کاہیوں حق کی راہ میں ان کی استقامت و قربانی اور احیاء کلمۃ اللہ کے لئے ان کی مسلسل دوڑ دھوپ کا انکار کرنا چاہتے ہیں؟ کیا عقل سلیم اسے باور کرنے کے لئے تیار ہے؟

پھر یہ الزام اس شخص پر لگایا جا رہا ہے جس نے بہت پہلے لکھا تھا کہ :-

"کیا یہ بات باور کئے جانے کے لائق ہے کہ پوری امت کے علماء بالاتفاق ایک نص کا

مطلب سمجھنے میں غلطی کر جائیں اور صدیوں اس غلطی میں پڑے رہیں گے۔ (تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۱۲۶)

مولانا مودودی نے جو باتیں لکھی ہیں ان کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ______ ان چاروں صدیوں کا مفہوم ذی علم حضرات ہو سکتا ہے کہ یہ سمجھتے رہے ہوں اپنے تئیں اس کے قیام کے لئے کوشاں بھی رہے ہوں، لیکن باقاعدہ کوئی اجتماعی پروگرام بنا ہو اس کے قیام کیلئے منظم کوشش ہوئی ہو عوام و خواص بھی اس کے انقلابی مفہوم کو سمجھتے رہے ہوں ایسا نہ ہو سکا، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ لوگ اسلامی حکومت سے دور ہوتے جا رہے تھے اسیاست و جہانبانی سے اسلام رخصت ہوتا جا رہا تھا۔ "لوگ صرف کشور کشائی، ملک گیری اور باج و خراج کو امت کی زندگی کا حاصل سمجھ بیٹھے تھے اور دولت اسلام کے بجائے مسلمانوں کی سلطنت پر قانع ہو گئے تھے یعنی ایسی سلطنت کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے جس کا حاکم کوئی مسلمان نام ہو"

(مقدمہ حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت از مولانا سید سلیمان ندوی)

یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف مولانا سید سلیمان ندوی نے اشارہ کیا ہے:

"لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہی صدی کے اندر اندر اپنے اس فرض کو بھلا دیا، ہمارے سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی پر قناعت کی اور عیش و آرام اور جاگیر و خراج کی دولت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا، علماء نے درس و تدریس اور فتوؤں کی خدمت پر کفایت کی اور درویشوں اور صوفیوں نے تسبیح و سجادہ کی آراستگی پسند کی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت رہبری اور رہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہو کر رہ گئی اور امت مسلمہ کی زندگی کی غرض و غایت اس کے سامنے لوگوں سے مخفی ہو کر رہ گئی" (مقدمہ حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت)

بچ کے جائے گا کہاں تو دیدۂ بیباک سے

آیئے تاریخ کے اوراق الٹیں اور دیکھیں کہ مولانا مودودی کے اس خیال کی تاریخ تائید کرتی ہے یا تردید؟ اس لئے کہ تاریخ کا موضوع ایسا واتفاقی، حقیقت پسند اور ذکی الحس ہے کہ وہاں کوئی بات رواداری میں نہیں کہی جا سکتی اس کے لئے تاریخی شہادتوں، حوالوں اور اعداد و شمار کی ضرورت ہوتی ہے اور تاریخ کسی بڑے سے بڑے اہل علم، داعی دین یا صاحب فکر کے احترام میں اپنا ناقدانہ فیصلہ صادر کرنے سے باز نہیں رہتی۔"

(عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح صفحہ ۹۳)

دورِ اموی و عباسی میں دین کی مظلومیت

پورے تیس سال تک اسلامی نظام حکومت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہا اور دنیا کو اپنے نافع ثمرات سے مستفید ہونے کا موقع دیتا رہا لیکن اسکے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب جلیل پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنھوں نے اس کے لئے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی، خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانہ کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انھوں نے اعلیٰ دینی و اخلاقی تربیت نہیں پائی تھی ان کا دینی و اخلاقی اور روحانی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے شایان شان ہے ان کے ذہن اور طبیعتیں عرب کی قدیم تربیت اور ماحول کے اثرات سے بالکلیہ آزاد نہیں ہوئی تھیں ان میں وہ روح جہاد

تھی اور نہ قوت اجتہاد جو دنیا کی پیشوائی اور عالمگیر قیادت کے لئے ضروری ہے، خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ذات کو مستثنیٰ کر کے عام خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کا یہی حال تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دیوار آہنی میں کئی رخنے پیدا ہو گئے جن سے مسلسل فتنے اور مصائب نفوذ کرتے رہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے۔

۱- دین و سیاست میں عملی تفریق ہو گئی اس لئے کہ خلفاء علم اور دین میں ایسا مرتبہ نہیں رکھتے تھے جس سے ان کو اہل دین اور علماء کی ضرورت نہ پڑے، انھوں نے حکومت و سیاست کو تنہا اپنے ہاتھ میں رکھا اور مشیر یا ماہرین خصوصی کے طور پر جب چاہا یا جب ان کے مصالح کا تقاضا ہوا علماء اور اہل دین سے مدد لی اور جتنی بات انھوں نے چاہی قبول کی اور جب چاہا ان کے مشوروں پر عمل نہیں کیا، اس طرح سیاست دین کی نگرانی سے آزاد ہو گئی اور ایک فیل بے زنجیر بن گئی۔

۲- ارکان حکومت، یہاں تک کہ بذات خود خلفاء، دین و اخلاق کا کامل نمونہ نہیں تھے، بلکہ ان میں سے بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے قدرتی طور پر ان کی روح اور نفسیات کا اثر قومی زندگی پر پڑ رہا تھا اور لوگ عموماً انھیں کے اخلاق و عادات اور رجحانات کی تقلید کرتے تھے، دین کی نگرانی ختم ہو چکی تھی، احتساب اٹھ چکا تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زور ختم ہو چکا تھا، اس لئے کہ اس کی پشت پر کوئی طاقت اور حکومت کی حمایت نہ تھی، وہ محض چند دیندار اشخاص کا رضاکارانہ عمل تھا جن کے پاس کوئی قوت اور تعزیر نہیں تھی، اس کے برخلاف بے قید اور آزاد زندگی کی ترغیبات بہت تھیں، اس لئے جاہلیت کو اسلامی ممالک کے اندر سانس لینے کا موقع ملا اور اس نے سر اٹھایا۔

۳- یہ لوگ اپنے اخلاق و اعمال اور معاملات میں اسلام کی شرعی سیاست، اس کے جنگی قانون، اس کے تمدنی نظام اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی بہت کم نمائندگی کرتے تھے، اس طرح غیر مسلموں کے دلوں سے اسلام کے پیغام کا احترام اور اثر جاتا رہا۔

اس دور انحطاط میں مسلمانوں میں شرک و جہالت قدیم جاہل قوموں کے عقائد و خیالات اور دینی گمرہی نے بھی نفوذ کرنا شروع کیا اور مسلمانوں کی زندگی اور ان کے مزاج میں ایسی بدعات نے رسوخ حاصل کر لیا جنھوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین اور کار آمد دنیا سے مشغول کر دیا۔

("انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" سے تلخیص)

اگرچہ یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس طغیان جاہلیت میں اسلام بالکل ختم ہو گیا تھا اور جاہلیت کلیۃً غالب آگئی تھی، واقعہ یہ ہے کہ جو قومیں اسلام سے متاثر ہو چکی تھیں یا بعد میں متاثر ہوئیں ان کی زندگیوں میں اسلام کا اصلاحی اثر تھوڑا یا بہت ہمیشہ موجود رہا، یہ اسلام ہی کا اثر تھا کہ بڑے بڑے جبار و غیر ذمہ دار بادشاہ بھی کبھی کبھی خوف خدا سے کانپ اٹھتے تھے اور

... ضعف کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے، یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ بادشاہی کی سیاہ تاریخ میں ہم کو جگہ جگہ نیکی اور اخلاق فاضلہ کی روشنی چمکتی نظر آتی ہے، یہ اسلام ہی کا طفیل ہے کہ ان شاہی خاندانوں میں خدا ہی کا رنگ جما ہوا تھا ان کی آغوش میں بہت سے دیندار، عادل اور متقی انسان پیدا ہوئے اور انھوں نے شاہی اختیارات رکھنے کے باوجود حتی الامکان ذمہ دارانہ حکومت کی، اسی طرح امارت و ریاست کے ایوانوں میں، فلسفہ و حکمت کے مدرسوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلام اپنے بالواسطہ اثرات کم و بیش برابر پہنچاتا رہا اور عوام کے اندر بھی مشرکانہ جاہلیت کی دراندازی کے باوجود اس نے اعتقاد، اخلاق اور معاشرت میں اصلاحی اور انسدادی دونوں حیثیتوں سے اپنا نفوذ جاری رکھا جس کی وجہ سے مسلمان قوموں کا معیار اخلاق بہر حال غیر مسلم قوموں سے ہمیشہ بلند تر رہا۔ (تجدید احیائے دین)

اور وقتاً فوقتاً ایسے مصلحین پیدا ہوتے رہے جنھوں نے انبیاء کی جانشینی کا صحیح حق ادا کرنے کی کوشش کی، انھوں نے امت کے تن مردہ میں جہاد کی روح پھونک دی اور برسوں کی ساکن لہروں میں تموج پیدا کر دیا، لیکن مصلحین کی یہ کوششیں برائی کے اس بحر ذخار کے مقابلہ میں قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں، ایک طرف جاہلیت قوت و طاقت اور اقتدار و حکمرانی سے لیس تھی، میدان عمل میں اسی کا سکہ چل رہا تھا، زندگی کے تمام شعبے نہ صرف یہ کہ اس سے متاثر تھے بلکہ اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، دوسری طرف مصلحین امت کی اصلاح و تربیت کی جد مساعی ہیں جو اگرچہ نہایت قابل قدر اور روشن ہیں لیکن جاہلیت کے اثر و نفوذ کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، جاہلیت کا مقابلہ کرنے کے لئے اس سے دوگنی نہیں تو کم از کم اس کے برابر طاقت درکار تھی جو مصلحین کو حاصل نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ مصلحین و مجددین اپنی للہیت و اخلاص اور جد و جہد مساعی جمیلہ کے باوجود زندگی کی گاڑی اس رخ پر نہ چلا سکے جس پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے چلایا تھا اور رفتہ رفتہ یہ گاڑی اس پٹری سے اتر گئی۔

تاتاری حملہ ۔ عالم اسلام کیلئے بلائے عظیم

پھر تاتاری حملے نے تو رہی سہی کسر پوری کر دی، تاتاری یورش عالم اسلام کے لئے ایک بلائے عظیم تھی جس سے عالم اسلام کی چولیں ہل گئیں، حرمین اسلام کے محافظ ایک مدت سے ... اونگھ رہے تھے اور کفر کی آگ چھ سو برس صرف اس لئے دبی رہی کہ قرون اولیٰ کے مجاہدین کی سطوت کی داستانیں اس کے لئے پانی کے چھینٹوں کا کام دیتی تھیں، دشمنان اسلام کو دولت عباسیہ کے کھوکھلے محل بھی اس قوم کے ناقابل تسخیر قلعے دکھائی دیتے تھے جس کے اسلاف نے پہلی صدی ہجری میں دنیا کے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کے تاج اپنے پاؤں تلے روند ڈالے تھے۔ چنگیز خاں کی قیادت میں

منگولیا کے قبائل ایک آندھی کی طرح اٹھے اور تہذیب کا ہر چراغ بجھاتے ہوئے دنیا کے چاروں طرف چھا گئے اس آندھی میں بادلوں کے بجائے پھٹے ہوئے آتش فشاں پہاڑ کا دھواں تھا اور اس دھوئیں کے بادلوں کے لحاف میں اس آتشیں مادے کا بے پناہ سیلاب تھا جو شہروں اور بستیوں کو جلاتا ہوا گزر گیا۔ بابل، نینوا اور پی آئی کے کھنڈر دیکھ کر انسان کی روح قدرت کے جن تخریبی عناصر کی ہمہ گیری کا اعتراف کرتی ہے، وہ تاتاریوں کے آتشیں طوفان کے سامنے بے حقیقت بن کر رہ جاتے ہیں بغداد کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور اسلامی مورخ ابن اثیر کا قلم کانپ اٹھتا ہے۔ "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھتے ہیں:-

"بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا، چالیس دن کے بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پر رونق ترین شہر تھا، ایسا تاراج ہو گیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور شہروں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں تعفن پھیلا جس سے شہر کی ہوا خراب ہوئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر ملک شام تک پہنچا، اس وبا اور ہوا کی بکثرت مخلوق مری۔ گرانی، وبا اور فنا تینوں کا دور دورہ تھا۔"

بغداد اپنی ہزار ہا خوبیوں کے باوجود بہر حال علم و فن کا گہوارہ، علماء و مفکرین کا مسکن اور عالم اسلام کا مرکز تھا اس کی تباہی نے تمام مسلمانوں کو تڑپا دیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایک دل دوز مرثیہ لکھا وہ جذب و جنون کی حالت میں چیخ پڑے ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

(امیر المومنین شاہ مستعصم باللہ کے زوال پر آسمان خون کی بارش کرے تو اسے یہ حق حاصل ہے۔)

اے محمد گر قیامت می بر آری سر زخاک
سر بر آور ویں قیامت درمیان خلق بیں

(اے محمد! اگر قیامت کے دن آپ کو قبر سے سر نکالنا ہے تو آج ہی نکال لیجئے اور خلقِ خدا جس قیامت صغریٰ سے دوچار ہے اس کا مشاہدہ کیجئے۔)

نازنینانِ حرم را خونِ خلق نازنیں
زاستاں بگذشت و مارا خونِ دل از آستیں

(نازنینانِ حرم کا خون ان تمام انسانوں کا خون ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ نے ہمارے لئے بھی اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کی تھی)

زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار
در خیال کس نگشتی کانچناں گردد چنیں

(کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ زمانہ میں ایسا عظیم انقلاب آئے گا۔)

دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکتِ بیت الحرم
قیصران روم سر بر خاک و خاقاں بر زمین
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفیٰ شد ریختہ
ہم بر آں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں

(اے مخاطب سر اٹھا کر دیکھ! جس سرزمین میں اسلام کو عظمت و سربلندی حاصل ہوئی اور جس سرزمین پر قیصر و کسریٰ جیسے عظیم اور زبردست حکمرانوں نے اپنی جبین نیاز خم کی تھی، اس سرزمین پر آج رسول ؐ کے چچا کی اولاد کا خون بہ رہا ہے۔)

دجلہ خونابست زیں پس گر بہد سر بر نشست
خاکِ نخلستان بطحا را کند با خوں عجیں

(دجلہ کا پانی اس کے خون سے سرخ ہو چکا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بطحا کی خاک کو خون کے ساتھ گوندھ دیا گیا ہے۔)

روئے دریا درہم آمد زیں حدیثِ ہولناک
می تواں دانست بر رویش ز برج افتاد چیں

(اس ہولناک حادثے سے دریا میں طغیانی آگئی اور ایسا لگتا ہے کہ چین کا قلعہ اس پر گر پڑا۔)

نوحہ لائق نیست بر خاکِ شہیداں زانکہ ہست
کمتریں دولت مر ایشاں را بہشت بریں

(شہیدوں کے مقبرے پر نوحہ کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جنت حقیر شغل ہے اور ان کو جنت الفردوس میں مقام بلند عطا ہوا ہے۔)

لیکن از راہِ مسلمانی و راہِ مرحمت
مہرباں را دل بسوزد در فراقِ نازنیں

(لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے اور از راہ مرحمت و شفقت ایک مہربان آدمی کا دل محبوب کے فراق میں بیتاب ہوا کرتا ہے۔ (کلیات سعدی ص ۵۷))

تاتاریوں کے اس عظیم یورش نے نہ صرف وہاں کے مسلمانوں کو خاک و خون میں تڑپایا، بلکہ علم و فن کے مراکز کو بھی تہ و بالا کر دیا۔ بغداد میں اس وقت قیمتی و نایاب کتابوں کے ہزاروں پرانے نسخے موجود تھے، تحقیق و تدقیق کے باقاعدہ شعبے قائم تھے، ترجمہ و تالیف کا کام بڑے زوروں پر ہو رہا تھا، دوسری زبانوں کی علم و حکمت کی موتیاں بڑی تیزی سے عربی زبان کی قبائے زندگی میں ٹانکی جا رہی تھیں اور دنیا کے کونے کونے سے مفکرین و فلاسفر اور علم و فن کے قدرداں بغداد پہونچ رہے تھے لیکن افسوس کہ اس دل دوز حادثے نے ان تمام مساعی جمیلہ کو درگور کر دیا۔ کتب خانوں، لائبریریوں اور علم و فن کے مراکز اور تربیتی اداروں میں آگ کے شعلے دہکنے لگے، تمام کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک دی گئیں، اس طرح سب سے بڑا نقصان علم و تحقیق کا ہوا۔

لیکن جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا، قوموں کے فاتح اعظم اسلام کے مفتوح ہو گئے اور اسی صنم خانے سے کعبہ کو پاسبان و محافظ مل گئے، تاتاریوں نے فوج

در خوخ اسلام قبول کر کے اس کی اخلاقی قوت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب اشاعت اسلام (Preaching of Islam.) میں حیرت و استعجاب کے ساتھ لکھتے ہیں :-

"لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان و شوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مغلوں کو جنھوں نے... مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کر لیا۔"

لیکن "ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اگرچہ مسلمان ان کی غارت گری اور خون آشامی سے محفوظ ہو گئے تھے اور ان کو دینی آزادی حاصل ہو گئی تھی اور اسلام حکمران طبقہ کا مذہب بن گیا تھا مگر ان جدید الاسلام تاتاریوں میں بہرحال دینی و علمی قیادت اور اسلامی امامت کی صلاحیت نہ تھی اور اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی۔"

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۲۱۳)

جس کے نتیجہ میں اسلام کا تصور اقتدار و حکمرانی اصول عدل و انصاف، ضابطۂ عدالت و فوجداری اور قوانین سیاست و جہانبانی اور صفات خداوندی کی مکمل توضیحات و تشریحات اب بھی عوام کے سامنے نہ آ سکیں اور یوں کہنا چاہیے کہ اسلام کا عالمگیر و آفاقی تصور اور خدائے ذوالجلال کی سیاسی حاکمیت کاملہ، اطاعت و فرماں روائی، الہیت و ربوبیت اور دین و عبادت کا مکمل قرآنی مفہوم بادلوں کی اوٹ میں چھپا رہا۔

عثمانی ترک ـــــ تاریخ کے اسٹیج پر

پھر عثمانی ترک تاریخ کے منظر عام پر آئے اور انھوں نے دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں اپنی چوبیس برس کی عمر میں بازنطینی سلطنت کے ناقابل تسخیر دار السلطنت قسطنطنیہ کو فتح کر لیا، اس فتح نے مسلمانوں کے دلوں کو عزم و حوصلہ اور نئے جوش و خروش سے بھر دیا اور پوری قوت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ایوان صلیب کی دیواریں ہل گئیں، سلطان محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب تھا کہ اس کے انتقال پر پاپائے اعظم نے جشن مسرت منانے اور تین روز تک مسلسل شکرانے کی نماز ادا کرنے کا حکم دیا، عثمانی قوم ایک بلند حوصلہ، پُر جوش اور زندہ قوم تھی، اس میں سادگی و بدویت کی ساری صفات موجود تھیں، وہ جذبہ جہاد و شہادت سے سرشار تھے، ان کے پاس اسلام کے مادی و روحانی تسلط کو پھیلانے کے لئے کافی جنگی طاقت موجود تھی۔ بین الاقوامی قیادت کے لئے ان کو بہترین جغرافیائی مرکز حاصل تھا، وہ علم و فن کے میدان میں پیش قدمی کر کے یورپ کی عیسائی قوموں کے چھکے چھڑا سکتے تھے لیکن "ترکوں کی بدقسمتی سے زیادہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ عین ترقی و عروج کے زمانے میں ترکوں میں تنزل و انحطاط شروع سا ہو گیا اور قوموں کے بجائے امراض

ان میں پیدا ہوگئے، آپس میں حسد و بغض کا نشو و نما ہوا، بادشاہ جابر اور مستبد ہونے لگے، حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا، اخلاق میں انحطاط شروع ہوگیا، حکام اور سپہ سالار قوم و سلطنت سے خیانت اور غداری کرنے لگے، قوم میں راحت طلبی اور عافیت کوشی پیدا ہوگئی، غرض زوال پذیر قوم کی وہ تمام صفات پیدا ہوگئیں جن کی تفصیل ترکوں کی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے اور یہ اس کا موقع نہیں" (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر صفحہ ۱۹) علماء نے بھی کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ دیا، بلکہ ان کی وجہ سے جمود و تعطل میں اور اضافہ ہوگیا، انھوں نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہ دی، بلکہ نئے خیالات کو اپنی قلمرو میں داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ جب تک ملت اسلامی کی تعلیم کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی نئی چیز قریب آنے پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر جمود طاری ہوکر رہ گیا اور عصر دور انحطاط میں ان کی سیاسی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کے جھمیلے میں پڑنے کی انھیں فرصت نہ تھی، سہل نسخہ یہی تھا کہ اسلاف کے قلعہ پر قدم جمائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں۔ چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو تیرہویں صدی میں تھا۔" (ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش از خالدہ ادیب خانم)

صرف ترکی ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام اس وقت علمی جمود اور ذہنی اضمحلال کا شکار تھا۔ علم دین ہی نہیں ادب و شاعری اور انشا پردازی بھی اپنی زندگی کھو چکی تھی، تعلیمی حلقے اور مدارس اندھی تقلید میں گرفتار تھے، ترکوں کی معاصر حکومتوں میں بھی اتنا دم خم نہ تھا کہ وہ اپنے مسائل و معاملات سے بلند ہوکر سوچتے، ہندوستان و ایران میں مسلمان زندہ تھے لیکن روح دین سے کوسوں دور تھے، عالم اسلام کے حالات سے بے خبر تھے۔ لیکن اس دور انحطاط میں بھی ہمیں ایسے صاحب عزم، بلند حوصلہ اور بیدار مغز افراد نظر آتے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کا وقار بحال کرنے اور اسلامی حکومت کی بازیافت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی لیکن مولانا ابو الحسن علی ندوی کے الفاظ میں "قومی انحطاط، اجتماعی پراگندگی و بے نظمی اور سیاسی بے شعوری اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ ایسی عظیم اور طاقتور شخصیتیں بھی مسلمانوں کے حالات اور ان کے تنزل و انحطاط کی رفتار میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کرسکیں اور امت بحیثیت مجموعی ان مجاہدانہ اور تجدیدی کوششوں سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔"
(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر)

یہ ہے عالم اسلام کا ایک طائرانہ تجزیہ آپ خود غور کیجئے اسلام کی اس مظلومیت، دین کی اس کس مپرسی و بے بسی اور اسلامی نظام کی اس ابتری کو دیکھ کر یہ کہنا کچھ بھی غلط نہیں کہ اسلام اس پورے دور میں مظلوم رہا، شریعت اسلامی کی گاڑی اپنی پٹری سے ہٹی رہی، اسلامی حکومت کے فوائد و ثمرات سے لوگ

محروم رہے جس کے نتیجے میں قرآن کی بنیادی اصطلاحات کے اصل معانی و مطالب لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رہے اور امت بحیثیت مجموعی قرآن کی اصل تعلیم سے ناآشنا رہی۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مولانا مودودی تجدید اور "إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا" کے مخالف ہیں، نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ خود مولانا مودودی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضورؐ نے جو خبر دی ہے اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ان شاء اللہ اسلامی تاریخ کی کوئی صدی ایسے لوگوں سے خالی نہ گزرے گی جو طوفانِ جاہلیت کے مقابلے میں اٹھیں گے اور اسلام کو اس کی اصل صحیح صورت میں از سرِ نو قائم کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے" (تجدید و احیائے دین ص۳۳) یہ تو تاریخ کا بے لاگ فیصلہ ہے کہ اصلاح و تجدید کی کوششیں، جاہلیت اور ظلمت کی کشمکش، باطل تحریکوں سے نبرد آزمائی اور ان کے مقابلے میں صف آرائی کا سلسلہ متواتر چلا آرہا ہے اور ہر دور میں ایسے مجددین اٹھے ہیں جنھوں نے وقت کے دھارے کو موڑنے کی کوشش کی ہے لیکن خالص واقعاتی نقطۂ نظر سے اور اس عالم اسباب میں جو قوانین کارفرما ہیں ان کے لحاظ سے اصلاح و تربیت اور فتنہ و فساد کی کوششوں میں ایک تولے اور پچاس من کی نسبت تھی۔ یہاں چند اشخاص پیدا ہوتے اور انھوں نے انقلاب کامل کے لیے تن من دھن سب کچھ لٹا دیا اور وہاں حکومت و سیادت، وسائل نشر و اشاعت اور جملہ ذرائع و وسائل فتنہ و شر کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے، جنھوں نے اخلاقیات، ادب، قانون، سیاسیات اور طرزِ معاشرت سب پر اثر ڈالا اور حکومت کی پوری مشینری جاہلیت کے فروغ کی طرف موڑ دی، اس لیے مجددین و مخلصین کی اخلاص و للہیت اور جملہ جانکاہیوں اور قربانیوں کے باوجود فی الواقع نتیجہ وہی رونما ہوا جو ہونا چاہیے تھا، یعنی شریعت کی گاڑی جاہلیت کی پٹری پر چلتی رہی اور عوام قرآن کے اصل معانی و مفہوم سے ناآشنا رہے۔

عالم اسلام و تاریخ اسلام کی تاریک تصویر

اس عنوان کے تحت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا مودودی کی تحریروں سے یہ بات صاف طور سے معلوم ہوجاتی ہے کہ صحابہ و تابعین کے دور کے بعد خدمتِ دین، اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کے سلسلہ میں کی گئی کوششیں ناقابل اعتناء اور مشکوک قرار پاتی ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"اس طریقِ فکر کا قدرتی اور منطقی نتیجہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحابہ و تابعین کے دور کے بعد (ان کی تحریروں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کا دور بھی کلی طور پر معیاری اور مثالی نہیں ہے) کے عالم اسلام کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں کہ ایک حساس

اور تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان کے دل میں،
جس کو اسلام کی علمی و فکری اور اصلاحی و
تجدیدی تاریخ کے وسیع و عمیق مطالعہ کا موقع
نہیں ملا، اسلامی تعلیمات کی ابدیت، اسلام
کی مردم خیزی و آدم گری اور درخت اسلام
کی شادابی اور بار آوری کے بارے میں شک
و شبہ اور اس کے یقین میں تزلزل پیدا ہو جاتا
ہے اور وہ کسی درجہ میں مایوسی اور احساس کمتری
کا شکار ہونے لگتا ہے اور اس کو ایسا نظر
آنے لگتا ہے کہ اس کشت ویران کی مٹی نم
ہونے کے بعد بھی زرخیز نہیں ہو سکتی۔"
(عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ص ۳۰)

یہ صحیح ہے کہ مولانا مودودی نے تجدید دین کی حقیقت و نوعیت، اور مشہور و معروف مجددین کے علمی کارناموں کا جائزہ لیا ہے اور ان کی غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔ لیکن اس سے مولانا کا مقصد تاریخ اسلام کو تاریک بنانا یا مجددین کی تحقیر و تنقیص نہیں بلکہ خود انہیں کے الفاظ میں:-

"اب اگر ہم کو تحریک اسلامی کی تجدید
و احیا کیلئے کوشش کرنی ہے تو اس قسم کی عقیدت مندی
اور اس ابہام و اجمال سے کچھ کام نہ چلے گا، ہم کو
پوری طرح اس تجدید کے کام کو سمجھنا پڑے گا اور
اپنی پچھلی تاریخ کی طرف پلٹ کر دیکھنا ہوگا کہ
ان بہت سی صدیوں میں ہمارے مختلف لیڈروں نے
کتنا کتنا کام کس کس طرح کیا ہے، ان کے کارناموں
سے ہم کس حد تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور
ان سے کیا کچھ چھوٹ گیا ہے جس کی تلافی پر
اب ہمیں متوجہ ہونا چاہئے۔" (تجدید و احیائے دین)

پھر مولانا نے جہاں خامیوں کی نشاندہی فرمائی ہے وہیں اس سے کہیں زیادہ خوبیوں، کمالات اور علمی کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ جو ہمارے لئے درس عبرت و موعظت بنتے ہیں اور ہمارے ذوق عمل اور جذبۂ خدمت دین کو مہمیز کرتے ہیں، ہم ان کی روشنی میں تحریک اقامت دین کی راہ میں اپنے لئے بہتر لائحۂ عمل تجویز کر سکتے ہیں اور ان غلطیوں سے بچ سکتے ہیں جو ہمارے اسلاف سے سرزد ہوئیں۔ اگر شاعرانہ و جذباتی عقیدت سے بچتے ہوئے کسی کے کارنامے پر تنقید کرنا اور ان کی روشنی میں اپنے لئے صحیح اصول و طریق کار منضبط کرنا کوئی جرم ہے تو بلاشبہ مولانا مودودی مجرم ہیں لیکن پھر مولانا علی میاں بھی مجرم گردانے جائیں گے کیونکہ انھوں نے بھی اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں اس طرح کے تنقیدی فرائض انجام دیئے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو احیائے دین کا منظم کام کرنا چاہتا ہے جس کے پیش نظر ایک ہمہ جہتی انقلاب ہے اسے لازماً جذباتی عقیدت سے کنارہ کش ہو کر تاریخ پر واقعاتی انداز میں غور کرنا ہوگا اور بادل نخواستہ تنقید و تبصرہ کا کام کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ تمام دینی جد و جہد اور خدمت دین کی کوششوں کی نفی کرنا چاہتا ہے کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

طارق جمیل فلاحی - جلیبت گڑھ

اسلامی تحریکوں کے خلاف سی آئی اے کی خفیہ سازشیں

الاخوان المسلمون کے پندرہ روزہ آرگن "الدعوۃ" نے پچھلے دنوں ایک انتہائی خفیہ رپورٹ شائع کی ہے، جسے امریکی سی آئی اے کے ایک ذمہ دار افسر نے مرتب کی ہے اس میں عالم اسلام اور اسلامی تحریکوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کو فرو کرنے کی مختلف تدبیریں بتائی گئی ہیں، یہ رپورٹ پڑھیے اور پھر اپنی غفلت پر بھی نظر ڈالیے۔

سادگیٔ مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

منجانب: رچرڈ ڈی - مچل

بنام: سربراہ خفیہ سروس سی آئی اے

آپ کے پاس ہمارے نمائندوں اور کارندوں کی بھیجی ہوئی جو معلومات جمع ہو چکی ہیں اور مصری اور اسرائیلی ایجنسی کی جو رپورٹیں ہمیں ملی ہیں ان سے پتہ چلا ہے کہ مصر اور اسرائیل میں جو معاہدہ ہونے والا ہے اس کے راستے میں مزاحم ہونے والی حقیقی قوت اسلامی تنظیمیں ہیں، ان تنظیموں میں سرفہرست "الاخوان المسلمون" کی جماعت ہے جو مختلف شکلوں میں عرب ملکوں میں کام کر رہی ہے اور یورپ اور امریکہ میں بھی۔

اسرائیلی محکمہ جاسوسی نے سفارش کی ہے کہ معاہدہ پر دستخط کرنے سے پہلے اس جماعت پر کاری ضرب لگائی جائے تاکہ معاہدے پر دستخط ہونے کی بھی ضمانت مل جائے اور دستخطوں کے بعد اس پر عمل درآمد ہونے کی بھی۔ اس سفارش پر (سابق) مصری وزیر اعظم کی حکومت نے جزوی طور پر عمل کرتے ہوئے جمعیت الہجرۃ والتکفیر پر ضرب لگائی بھی تھی۔

ان چیزوں کے ساتھ ہی ہماری رائے یہ بھی ہے کہ صدر ناصر کے زمانے میں "اخوان" کو ختم کرنے کے لیے جو ذرائع ہم نے اختیار کیے وہ نہ صرف اخوان کو ختم کرنے میں ناکام رہے بلکہ الٹا ان کی وجہ سے عام مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے اور خاص طور سے وہ نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

ان سب باتوں کے پیش نظر ہم "اخوان" سے نمٹنے کے لیے متبادل حل کے طور پر مندرجہ ذیل ذرائع اختیار

کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں ۔

۱۔ مکمل خاتمے کے بجائے جزوی خاتمے پر اکتفا کیا جائے صرف ان راہنما شخصیتوں کا خاتمہ کیا جائے، جو دوسرے ذرائع سے جن کا ذکر ہم آگے کرنے والے ہیں قابو میں نہ آئیں، ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان شخصیتوں کا خاتمہ ایسے طریقے سے کیا جائے جو بالکل طبعی اور فطری معلوم ہو۔ ان میں سے بعض شخصیتیں سعودی عرب میں موجود ہیں، ان سے جلد چھٹکارا حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس سے دو مقاصد حاصل ہوں گے: ایک تو جزوی خاتمے پر عمل درآمد ہوگا اور دوسرے اخوان اور سعودی حکومت کے درمیان غلط فہمیاں ہوں گی جس سے ہمیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مدد ملے گی ۔

۲۔ جن شخصیتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کیا جائے ان کے سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کرتے ہیں ۔

(۱) جن لوگوں کو بڑے بڑے مناصب دے کر ورغلایا جا سکتا ہے ان کو بے ضرر قسم کے بڑے بڑے اسلامی منصوبوں میں بڑے بڑے اسلامی منصب دے جائیں تاکہ ان کی توتیں بھی منصوبے نچوڑ لیں، اس کے ساتھ ہی ان پر اور ان کے اہل وعیال پر مادی سہولتوں کی بارش کر دی جائے تاکہ وہ ان میں پوری طرح منہمک ہو جائیں، ان کی قوتیں وہیں صرف ہو جائیں اور عوام سے ان کا رابطہ کاٹ کر ان کی بنیاد ختم کر دی جائے ۔

(ب) ان سب سے جن کے کاروباری رجحانات ہوں ان پر کام کر کے انہیں ان کاروباری منصوبوں میں مصروف رکھنے کی کوشش کی جائے جن کے بارے میں طے ہے کہ معاہدے کے بعد مصر اور اسرائیل کے اشتراک سے ان کو عملی جامہ پہنایا جائے گا ۔

(ج) پٹرول پیدا کرنے والے عرب ملکوں میں ان کے لئے کام کے مواقع پیدا کئے جائیں، اس طرح وہ اسلامی شخصیتوں سے دور ہو جائیں گے ۔

(د) یورپ اور امریکہ میں جو عناصر فعال ہیں ان کے بارے میں ہماری تجاویز حسب ذیل ہیں

(i) ان کی قوتوں اور کوششوں کو غیر مسلموں پر صرف کروایا جائے، پھر اپنے اداروں کے ذریعے ان کی کوششوں کو لاحاصل بنا دیا جائے ۔

(ii) ان کوششوں کو اسلامی کتابیں چھاپنے اور شائع کرنے میں کھپا دیا جائے اور ساتھ ہی ان کے نتائج کو ناکامیاب کر دیا جائے ۔

(iii) ان کی قیادتوں میں آپس میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں، ان میں اختلافات کے بیج بو کر ان کو نمایاں کیا جائے، تاکہ تعمیری سرگرمیوں کے بجائے ان اختلافات میں اپنی قوتیں جھونک دیں

(۳) نوجوانوں کے بارے میں ہم تجویز کرتے ہیں کہ

(۱) ان کی قوتوں کو مذہبی رسوم وعبادات میں کھپا جائے۔ اس سلسلے میں وہ مذہبی قیادتیں مفید ثابت ہو سکتی ہیں جو صرف عبادات پر زور دیتی ہیں اور جو سیاست سے تعارض نہیں کرتیں ۔

(ب) مذہبی اور فروعی اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا جائے اور نوجوانوں کے ذہنوں میں ان کو نمایاں کیا جائے۔

(ج) سنت یہ عملوں کی جو صد اخزائی کی جائے اور سنت اور دوسرے اسلامی ماخذ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔

(د) مختلف اسلامی جماعتوں میں پھوٹ ڈالی جائے اور ان جماعتوں کے اندر اور مابین تنازعات کھڑے کئے جائیں۔

(ہ) نوجوانوں کی توجہ اسلامی تعلیمات کی طرف بڑھ رہی ہے یہ ایک رو ہے جس کا مقابلہ ضروری ہے۔ خاص طور پر لڑکیاں اسلامی لباس کا التزام کر رہی ہیں۔ اس کا مقابلہ ذرائع نشر و اشاعت اور جوابی ثقافتی سرگرمیوں کے ذریعے ضروری ہے۔

(و) مختلف مراحل میں تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعے اسلامی جماعتوں کی کاوشوں کو بے اثر بنایا جائے اور ان کا دائرہ محدود کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس نازک موقع پر اسلامی جماعتوں کے مسئلہ کے حل کے لئے یہ ہماری تجاویز ہیں۔ اگر آپ ان کو اتفاق کریں تو ان کی فوری تنفیذ کے لئے متعلقہ حلقوں کو جلد از جلد ہدایات بھیج دی جائیں اور یہاں اس سلسلے میں جو کردار ہمیں ادا کرنا ہے ہم اس کے لئے بالکل تیار ہیں۔ دستخط (رچرڈ بی۔ مچل)

اس اہم دستاویز کی اشاعت کے چند دنوں بعد امریکی سفارت خانے کے سیاسی مشیر جوزف لارنس بذات خود الدعوۃ کے دفتر میں تشریف لائے اور اس خفیہ دستاویز کی اصل کاپی طلب کی اور اس کی حقیقت سے مطلع ہونا چاہا۔ میں نے اصل کاپی ان کے حوالے کر دی۔ . . . چند دنوں کے بعد وہ دوبارہ تشریف لائے اور اس دستاویز کی صحت کو سختی سے انکار کر دیا اور ہمارے لئے یہ بات بہت خوش آئند ہے کہ امریکی حکومت کی سیاست اسلام اور مسلمانان عالم کے مقابلے میں عدل و انصاف کی پالیسی پر کاربند ہے۔

امریکی سفارت خانے کی تردید :-

ذیل میں بنیادی مسئلے کا خلاصہ پیش خدمت ہے جس میں فیصلہ کن طریقے سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ رپورٹ جو پروفیسر مچل کی طرف منسوب ہے اس کی بنیاد ہی غلط اور باطل ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ رپورٹ مرکزی خفیہ محکمے کے افسر کے پاس بھیجی گئی تھی، حالانکہ ابھی تک یہ کسی ایسے شعبہ کا پتہ ہی نہیں مل سکا جسے خفیہ سروس کا نام دیا جا سکے، امریکہ میں خفیہ محکمہ تو صرف صدر امریکہ کی حفاظت اور وزارت خزانہ کی پاسبانی کے کام پر مامور ہے۔

وہ خفیہ رپورٹ فصیح عربی زبان میں لکھی گئی ہے اور یہ بات اپنی جگہ حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ رپورٹ گھڑی گئی ہے اور واضح رہے کہ مسٹر مچل کسی کے پاس عربی زبان میں کوئی رپورٹ یا کوئی خط نہیں لکھا کرتے ہیں بالفرض اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ انہیں دونوں زبان پر

قدرتِ کاملہ ہے تو بھی وہ عربی میں نہ لکھتے جبکہ فی الواقع
یہ نہیں ہے ..... اور اگر یہ بات بھی تسلیم کر لی جائے
کہ وہ خفیہ رپورٹ انگریزی زبان کا ترجمہ یا تلخیص ہے،
تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس رپورٹ کے مرسل نے
اسے انگریزی زبان میں ایک نسخہ کیوں نہیں ارسال کیا
... پہلی وجہ واضح ہے کہ یہ رپورٹ انگریزی زبان
میں تھی ہی نہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ اس جھوٹی
خفیہ رپورٹ کا پیش کرنے والا معلومات اور مہارت
کی کمی کی وجہ سے انگریزی میں پیش کرنے کا خیال ہی
نہ ہو سکا کہ اس کی صحت کس حد تک ثابت ہو سکتی

اور پھر وہ تمام مندرجات جو اس رپورٹ میں شامل ہیں
اس کی تائید و توثیق کرتی ہیں کہ وہ ایک ناپاک
سازش ہے اور اس رپورٹ کا پورا مواد ان
مضامین پر مشتمل ہے جس کی طرف امریکی حکومت توجہ
اور اہمیت نہیں دے سکتی ہے، اس کا مقصد وحید یہ
ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ مصری عوام کو غیظ و غضب
پر ابھارا جائے اور امریکی حکومت کے خلاف عداوت
و دشمنی کا بیج بویا جائے۔

امریکہ کو کیا پڑی ہے کہ وہ مصری عورتوں کے لباس
اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت اور مدارس و معابد کے
سلسلے میں کوئی اقدام کرے، بروقت عالمی امن و سلامتی
اور باہمی سمجھوتہ کا مسئلہ اتنا اہم ہے اور اس راہ میں اتنی
مشکلات ہیں کہ ان کو نظر انداز کر کے امریکہ کیلئے ان
فروعی و جزئی مسائل سے الجھنا کسی طرح بھی مناسب
نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں
کہ دین و مذہب کی حریت و تقدیس دنیا کے ہر خطے میں
مسلم اور ضروری ہے، لیکن درحقیقت ان مذہبی جماعتوں
کی تشکیل کی اجازت قطعاً نہیں ہوگی جو بنیادی طور پر
کارٹر حکومت کی سیاست پر اثر انداز ہو۔

واضح رہے کہ پروفیسر مچل ایک محترم عالم ہیں
اور وہ ایک عرصے سے امریکہ کی مشہور ترین یونیورسٹی
میں تعلیم و تدریس کے فرائض ادا کر رہے ہیں اور پھر
اخوان المسلمین کے بارے میں ان کی تصنیف دنیا کی
نگاہ میں ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اور وہ جھوٹی
رپورٹ جو قلمبند کی گئی ہے حقیقت کی دنیا میں خود تراشیدہ
کے علاوہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتی۔

المخلص ....

جوزیف ب . کودہنر
سیاسی امور کے مشیر کار

"ہم اس تردید کو اس لئے شائع کر رہے ہیں
تاکہ پروفیسر رچرڈ پی مچل اپنا حق برأت استعمال
کر سکیں، اس تردید کی بعض عبارتوں کو ناپسندیدگی
اور ناگواری کے باوجود ہم اسے شائع کر رہے ہیں
تاکہ ہر شخص کو آزادی خیال اور حریت تنقید کی
ضمانت مل سکے اور بے جھجک وہ اپنے خیالات
الدعوۃ کے ذریعہ عوام کے سامنے پیش کر سکے۔"

منجانب ...... رجب البیومی

بنام .... چیف ایڈیٹر مجلہ الدعوۃ۔

تحیۃ وسلاماً ......

آپ کے موقر جریدے "الدعوۃ" (شمارہ ۳۲، یکم صفر ۱۳۹۹ھ، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۰ و ۱۱) میں ایک مقالہ "تقریر خطیر" کے نام سے شائع ہوا تھا جس میں امریکی حکمت کی خدوخال اور اسلامی تحریکوں کے صفایا کے بارے میں جائزہ لیا گیا ہے، آپ نے اس خفیہ رپورٹ کی تحریر کو میری طرف منسوب کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مجھے ہی اس کا دستخط کنندہ قرار دیا ہے ...

پھر اس دوران اس خفیہ رپورٹ کے تعارف اور رجحانات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس کی صحت وسچائی کی توثیق وتحقیق کرنے سے پہلے آپ نے اس کی نشر واشاعت میں بھرپور قوت صرف کی۔

اگرچہ میری طرف سے اس دستاویز کو شائع کرنے کے محرکات کا پتہ لگانے کے لئے جذبات سرد پڑ جائیں لیکن میں قطعیت کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ اس طرح کے الزام کے دوررس نتائج کو بھی پالیں گے جو میری شہرت اور خدمت کی برتری کی بنا پر اندرون ملک اور بیرون ملک: مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی جدید تاریخ کے ریسرچ کرنے والے ایک استاد کی حیثیت سے حاصل ہے۔

اور آپ بذات خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اس تحریک یعنی اخوان المسلمین کا بہت دنوں سے مطالعہ کرتا آرہا ہوں اور اس کے سلسلے میں میرے دل میں احترام وتعظیم کے شدید جذبات پائے جاتے ہیں جیسا کہ آپ الدعوۃ ۱۹۶۲ء میں اخوانیوں کے حالات پر مشتمل میری کتاب کے بارے میں تبصرہ کر چکے ہیں اگر آپ نے دستاویز کے آغاز میں اس امر واقعہ کا تذکرہ کر دیا ہوتا تو شاید قارئین پر اس کا کچھ اور ہی اثر ہوتا لیکن آپ نے اس دستاویز کی نسبت میری طرف کی ہے جو درست نہیں ہے، اس لئے کہ آپ سب مجھے اور میری کارگزاریوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ دستاویز مجھ سے اور میرے افکار ومعتقدات سے کسی طرح میل نہیں کھاتی اور یہاں اس علاقے میں اور وطن عزیز متحدہ امریکہ میں بھی ہمیشہ مخلصانہ اور تحقیقی کاوشوں کی کھلی شہادت ملے گی۔ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مصری حکومت مجھ سے اور میری کارگزاریوں سے پچھلے پچیس سال سے اچھی طرح واقف ہے جبکہ میں نے مصر کے علمی وتحقیقی اداروں کی سیر کی تھی، بہتر یہ ہوتا کہ آپ اس دستاویز کو عوام کے سامنے لانے سے پہلے حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز افراد کے سامنے بھی پیش کر دیتے اور میری عزت، شخصی وقار اور میرے پیشے پر داغ لگنے سے پہلے ان کی رائے بھی معلوم کر لیتے۔

اگر ضرورت پڑی تو میں اس دستاویز کا تجزیہ کرنے کی کوشش کروں گا اور اس کی تکذیب وتغلیط پر دلائل بھی دوں گا، لیکن اس وقت اس طرح کی

کوئی کاوش اس دستاویز کو اس کی اصل حیثیت سے زیادہ اہمیت دینے کے مرادف ہوگا، میں اس وقت جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس دستاویز کی صحت و سچائی سے انکار اور اس کی بھرپور مخالفت ہے۔

اس دستاویز کے مؤلف کیلئے یہ ممکن تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ اس کے فوائد پر روشنی ڈالتے اور اسے لکھنے اور پھیلانے کا سبب بتاتے، اب اس منصوبہ کے اسباب اشاعت پر روشنی ڈالنا آپ پر موقوف ہے، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس خطے کے اندرون اور بیرون میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلامی تحریکوں کے بارے میں تحقیق اور ریسرچ سے اچھی طرح واقف ہیں اور یہ بھی آپ کے علم میں ہوگا کہ یہاں مقامی طور پر بھی اور باہر بھی بہت سے ایسے خوش فہم حضرات بھی ہیں جو مجھے اسلامی تحریکوں کا حامی سمجھتے ہیں اور ان میں سے بعض حضرات تو آپ کے تحقیقی دشمن ہیں، میرے اوپر آپ نے کیچڑ اچھالی ہے اس سے یہ دشمنان تحریک گھی کے چراغ جلائیں گے، جبکہ میں آپ حضرات کا کسی بھی طرح کا دشمن یا مخالف نہیں، بسا اوقات آپ کیلئے یہ سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ کہیں اسلامی تحریکوں کے بارے میں میری دوڑ دھوپ تحقیق و واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہو۔

مصری قانون کی رو سے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ مجھ پر لگائے گئے الزامات کی تردید کروں اور میری آپ سے پر زور اپیل ہے کہ آپ نے آئندہ رسالے میں اس حقیقت کی توضیح کریں گے، مجھے بھرپور اعتماد ہے کہ آپ کا رسالہ "الدعوۃ" حق اور حریت کا ترجمان ہے امید ہے کہ ہمارے اس وضاحت نامے پر لبیک کہیں گے۔ مجھ خاکسار کی جانب سے آداب و تحیات قبول کیجئے۔ رچرڈ ڈی میچل

(بشکریہ الدعوۃ قاہرہ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ فروری ۱۹۷۹ء)

لمحۂ فکریہ :۔

اور سی آئی اے کی خفیہ سازشوں اور پروفیسر رچرڈ ڈی میچل اور امریکی سفارت خانے کی تردید "الدعوۃ" قاہرہ فروری ۱۹۷۹ء کے شکریے کے ساتھ ہم نے نقل کی ہیں، جسے آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اس تردید کے بعد ہم اسے ہم کیا کہیں، بس پندرہ روزہ تکبیر کراچی کی یہ خبر ملاحظہ فرما لیجئے۔

"واشنگٹن۔ امریکہ کے وہائٹ ہاؤس سے متعدد مسلم ممالک میں چلنے والی اسلامی تحریکوں کا جائزہ لینے کیلئے محکمہ خفیہ کو ھدایت جاری کر دی گئی ہے صدر کارٹر کے قومی سلامتی مشیر نے یہ تحریک پیش کی اور اس مسئلہ کو فوری اہمیت کا مسئلہ قرار دیا ہے۔ عالم اسلام کے متعدد ملکوں میں مذہبی تحریکوں نے مغرب کے حکمرانوں کے اندازے اور مفروضے غلط ثابت کر دیئے ہیں ان کا خیال تھا کہ ملحدانہ کمیونزم کی مخالفت میں مسلم ممالک خود بخود امریکہ کی طرف جھک جائیں گے، لیکن سعودی عرب کی پالیسی نے انھیں ششدر بنا دیا ہے۔ سعودی عرب عرب اسرائیل کے مسئلے پر امریکی وزیر خارجہ سے

پہلی مرتبہ تنقیدی رویہ اختیار کیا ہے، ادھر
ایران پاکستان اور ترکی میں بڑھتی ہوئی اسلامی
تحریکوں نے بھی امریکی وزارت کو بدلتے ہوئے
حالات کا اثر لینے پر مجبور کر دیا ہے۔

(۵ر فروری ۸۰ء)

اسلامی تحریکوں کے بارے میں صدر کارٹر کے قومی
سلامتی مشیر کی اس ہدایت کی کسی نے تردید کرنے کی حاجت
محسوس نہیں کی۔ کیا یہ واقعہ سی آئی اے کی خفیہ سازشوں
کی تاکید و توثیق نہیں کرتا۔ یہ ہے امریکی سیاست! اور
یہ ہیں اسلام کے خلاف خفیہ حملے!!
امریکی و روسی ملکوں کی ان ناپاک سازشوں کے باوجود
ہماری آنکھ نہیں کھلتی اور ہم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے
اور اقامت دین کے لئے کسی منظم کوشش کرنے پر تیار
نہیں ہیں۔ اسلامی تحریکوں کے خلاف آئے دن نت نئے
بیانات اور کتابچے شائع ہوتے رہتے ہیں، سوچئے
کیا ہم بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر سی آئی اے کے
آلۂ کار تو نہیں بن رہے ہیں۔

★★

جامعۃ الفلاح کا شاندار آغاز ایک عظیم مستقبل کا آئینہ دار

یکم مارچ۔ جامعۃ الفلاح کے سلسلے میں یہ تاثر ہمارے معزز مہمان جناب شرف الدین صاحب اصلاحی رکن ادارہ تحقیقات اسلامی و سابق ایڈیٹر
فکر و نظر پاکستان نے یکم مارچ کو جامعہ میں تشریف آوری کے بعد رقم فرمائے ہیں۔ مہمان گرامی پاکیزہ صحافت اور اسلامی ادب کے علمبردار ہیں۔
اسلام کی جامع تعلیم پیش کرنے کے جرم میں بھٹو دور حکومت میں بہت سے کٹھن مراحل سے بھی گذر چکے ہیں۔ آپ نے یکم مارچ کو جامعۃ الفلاح میں
تشریف لا کر ہم سب کو استفادہ کا موقع عنایت فرمایا، آپ نے جامعۃ الفلاح کے سلسلے میں حسب ذیل تاثرات رقم فرمائے۔

"جامعۃ الفلاح کو دیکھنے کی آرزو پوری ہوئی۔ میں نے اس درسگاہ کی ایک ایک چیز کو نہایت دلچسپی اور مسرت و استعجاب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھا۔
اس کا شاندار آغاز اس کے عظیم الشان مستقبل کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے کارکنوں کی مساعی میں برکت عطا فرمائے اور یہ ادارہ سرزمین اعظم گڑھ
کی علمی روایات کے امین کی حیثیت سے برصغیر ہند و پاک میں ایک امتیازی شان اور منفرد مقام کا حامل ہو، آمین!
جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کی علمی و ادبی سرگرمیوں نے مجھے بہت متاثر کیا، طلبہ کا اس طرح بیک وقت مختلف زبانوں میں کئی کئی رسالوں
کو مرتب کرنا ان کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ دار المعلومات کیلئے کتب و رسائل کی فراہمی میں طلبہ کی کوششیں لائق ستائش ہیں!!"

(شرف الدین اصلاحی)

ہم ادارہ حیات نو کے کارکنان اپنے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کو حیات نو کے پچھلے تمام شمارے
بھی دیئے گئے۔ آپ نے حیات نو کے ساتھ ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا۔

آج ہی دوپہر کو جامعہ سلفیہ بنارس کے معزز استاذ حضرۃ الاستاذ مولانا انیس الرحمان صاحب ازہری بھی جامعہ
میں تشریف لائے۔ جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری اور اسکی جملہ سرگرمیوں کا مشاہدہ کیا اور اس کی علمی و ادبی کوششوں کو سراہا۔

مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی (سابق استاذ جامعہ)

وہ دورِ سعادت پھر آسکتا ہے!

(سید قطب شہیدؒ کے فکر سے استفادہ کرتے ہوئے)

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں جو پود تیار کی، وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ انسانیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی، اس نے اس سرزمین پر ایک ایسی امت برپا کی جو ہر لحاظ سے انسانیت کے لئے باعثِ فخر اور مایۂ ناز تھی، وہ ایسی امت تھی کہ اس کے آنے سے چمنستانِ دہر میں یکدم بہار آگئی، وہ ایسی امت تھی کہ اس کے آنے سے کشتِ انسانیت لہلہا اٹھی، وہ ایسی امت تھی کہ اس کے عروج سے باغِ عالم کی کلی کلی مسکرانے لگی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے ــ بالکل ناقابلِ انکار حقیقت ــ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ زمین و آسمان کی نگاہیں دوبارہ ویسی امت دیکھنے کو ترس گئیں، اس طرح کے چند افراد ضرور وقتاً فوقتاً تاریخ کی سطح پر ظاہر ہوئے لیکن کیا اس جیسی پوری ایک امت زمین کے کسی خطے میں دوبارہ برپا ہو سکی؟ شاید ایسا نہیں

سوال پیدا ہوتا ہے کیوں؟

یہ ایک سوالیہ نشان ہے قافلۂ حق کے ہر فرد کے لئے تحریک اسلامی کے ہر کارکن کے لئے، اس سوالیہ نشان کو حل کئے بغیر ایک قدم بھی آگے بڑھنا اپنی تحریک کیلئے خود ناکامی کا سودا کرنا ہے، آئیے ہم غور کریں اور معلوم کریں اس کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟

یہ تو ظاہر ہے کہ جو قرآن اس وقت تھا وہی قرآن اب بھی بالکل اسی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، جو حدیثیں ان کے پاس تھیں وہی حدیثیں ہمارے پاس بھی موجود ہیں، اس وقت سے زیادہ مرتب اور مدوّن صورت میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسوۂ حسنہ اور جو بلند کردار ان کے سامنے تھا، وہی اسوۂ حسنہ اور وہی بلند کردار ہمارے سامنے بھی موجود ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ان کے درمیان جلوہ افروز تھی جن کے دیدار اور جن کے شرفِ صحبت

سے ہم محروم ہیں تو کہیں اس کا یہی سبب تو نہیں؟

بظاہر یہ بات بہت خوش نما اور دل کو لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر غور کیجئے تو شاید اسے ماننے میں آپ کو تامل ہوگا، اگر اسلام کے قیام اور تحریک حق کے استحکام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود واقعی ناگزیر ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ ایک عالمی دین اور ایک دائمی شریعت کیونکر بنا سکتا تھا، یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نبوت کا سلسلہ آپ ہی پر ختم کر دیتا اور آپ ہی کی اطاعت پر سارے عالم کی نجات کو موقوف قرار دیتا، معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے محرومی ہی اس کا سبب نہیں، یقیناً کچھ اور ہی اسباب ہیں جن کی یہاں کارفرمائی ہے

ہمیں چاہئے کہ دیکھیں وہ کون سا سرچشمہ تھا جس سے وہ نسل سیراب ہو رہی تھی، کہیں اس میں تو کوئی تغیر نہیں ہوا ہمیں چاہئے کہ سراغ لگائیں وہ کون سے خطوط کار تھے جن کو اپنا کر اس امت نے حیرت ناک ترقی کی منزلیں دیکھتے دیکھتے طے کی تھیں۔ کہیں ان سے دوری ہی تو ہمارے اس درمیانی تفاوت کا باعث نہیں۔

وہ چشمۂ صافی جس سے وہ نسل سیراب ہوتی تھی وہ قرآن تھا، صرف قرآن۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، آپ کی پاکیزہ سیرت اور آپ کا مقدس اسوہ بھی ان کے لئے مشعل راہ تھا، لیکن ظاہر ہے یہ چیزیں قرآن پاک سے الگ نہ تھیں، یہ اسی آفتاب کی شعاعیں اور اسی چشمہ کی شاخیں تھیں، یہی وجہ ہے ام المومنین حضرت عائشہ رض سے اخلاق رسالت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو بولیں:- كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (آپ کا خلق قرآن تھا) تنہا قرآن ہی وہ سرچشمہ تھا جس سے وہ نسل سیراب ہو رہی تھی، یہی وہ آفتاب نور تھا جس کی روشنی میں وہ اپنی منزلیں طے کر رہی تھی، ہو سکتا ہے اس موقع پر آپ کو غلط فہمی ہو کہ اس وقت کی دنیا تہذیب و ثقافت سے ناآشنا تھی، اس وقت علوم و فنون کی بہاریں نہ تھیں اس وقت کتابوں کے ذخیرے نہ تھے، اس وقت سائنس اور علوم جدیدہ کا زور نہ تھا، اس لئے وہ نسل قرآن ہی پر قناعت کرنے پر مجبور تھی...... لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ دعوے اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس قسم کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخی شہادتوں کی طرف سے اپنی آنکھیں موندلے اور پوری ڈھٹائی سے حقیقت کی تکذیب ہی پر تل جائے۔

میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں رومی تہذیب اس وقت پورے شباب پر تھی، اس کی ثقافت اور اس کا کلچر آسمان علوم پر آفتاب نصف النہار بن کر چمک رہا تھا، اس کے علمی اور تحقیقاتی ذخیروں کا یہ حال تھا کہ موجودہ زمانے کا یورپ بھی آج تک اس سے بے نیاز نہ ہو سکا، اس وقت یونانی تہذیب کے بھی آثار موجود تھے جس کے علوم و فنون اور فلسفہ کا سارے عالم میں غلغلہ تھا۔ حتیٰ کہ آج کی مغربی دنیا بھی اس کی خوشہ چینی پر مجبور ہے اس وقت ایرانی تہذیب بھی زور پر تھی اور علوم و فنون کی دنیا میں ایک نمایاں مقام حاصل کر چکی تھی، یہ اور اس طرح کی بہت سی تہذیبیں موجود تھیں، ہندوستانی اور

کی تہذیب بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتی تھی، علاوہ ازیں رومی اور ایرانی تہذیبیں جزیرۂ عرب کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے تھیں، جب کہ یہودیت اور عیسائیت خود عرب جزیرہ میں اپنے جڑیں استوار کر چکی تھیں۔

ان حقائق سے یہ بات پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ اگر اس پہلی پود نے اپنی ساری توجہات صرف قرآن کریم پر مرکوز کر دیں تو اس کی یہ وجہ قطعاً نہ تھی کہ وہ بھی افلاس کا شکار تھی یا عالمی تہذیبوں سے بالکل بے خبر تھی اور اگر اس نسل نے صرف قرآن کو اپنا کعبۂ مقصود بنایا تو اس کی وجہ یہ ہرگز ہرگز نہ تھی کہ وہ ثقافتی دنیا کے سلسلے میں جہل و ناواقفیت کی تاریکی میں تھی، یا اس کے لیے ان عالمی تہذیبوں میں مدغم ہو جانا ممکن نہ تھا، آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس نے قصداً ساری تہذیبوں سے اپنی آنکھیں موند لی تھیں اور ارادی طور پر اس نے قرآن پاک کو اپنے لیے حرزِ جاں اور اپنا کعبۂ مقصود بنایا تھا، آپ کو یاد ہوگا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق ؓ کے ہاتھ میں توراۃ کا ایک نسخہ دیکھا تو غضبناک ہو گئے اور فرمایا:-

وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ	بخدا اگر موسیٰ علیہ السلام اس
مُوسٰی حَیًّا بَیْنَ	وقت تمہارے درمیان زندہ
اَظْہُرِکُمْ مَا حَلَّ لَہٗ	ہوتے تو ان کے لیے بھی جائز نہ ہو
اِلَّا اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ۔	سوائے اس کے کہ وہ میری پیروی کریں

رسول پاک ؐ کے اس ارشاد سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ آپ کی منشا کیا تھی، آپ چاہتے تھے کہ تربیت کے ابتدائی دور میں اس نسل کی ساری توجہات کا مرکز صرف کتاب اللہ ہو تاکہ اس کی اٹھان بالکل قرآنی اصولوں پر ہو، اور اس کے رگ و ریشے میں قرآنی تعلیمات جذب ہو کر رہ جائیں، آپ چاہتے تھے کہ قرآن ہی اس کا ذہن ہو، قرآن ہی اس کا مزاج ہو، اس کی شریانوں میں قرآن کی روح خون بن کر دوڑنے لگے، اس کے خیالات و جذبات میں قرآن ہی کا جلوہ ہو، اس کے افکار اور اس کی امنگیں قرآن ہی کی آئینہ دار ہوں، مختصر یہ کہ وہ قرآن کی چلتی پھرتی زندہ تصویر ہو، اس کا ایک ایک قول اور ایک ایک عمل قرآن کا ترجمان ہو، کیونکہ ؎

تو ہے جب پیام اس کا پھر پیام کیا تیرا
تو ہے جب صدا اس کی آپ بے صدا ہو جا

چنانچہ اس نسل نے قرآن پاک کو سینے سے لگایا اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنی ساری توجہات اسی پر مرکوز کر دیں۔ اسی کا نتیجہ ہے تاریخ میں اسے ایک امتیازی مقام حاصل ہوا، ایسا مقام جو اب تک کسی قوم اور کسی نسل کو حاصل نہ ہو سکا۔

پھر کیا ہوا بہت سے چشمے ایک دوسرے میں مل گئے وہی چشمے جن سے بعد کی نسلیں سیراب ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ اس میں یونانی فلسفہ، ایرانی نظریات، یہودی اسرائیلیات عیسائی لاہوت اور بہت سی دوسری تہذیبوں کی آمیزش ہو گئی۔ ان چیزوں سے جہاں فقہ و اصول محفوظ نہ رہ سکے وہیں علمِ کلام اور تفاسیرِ قرآن بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی نسلوں کی اٹھان بالکل مختلف انداز پر ہوئی اور پہلی جیسی مثالی نسل

یونانی تہذیب بھی اپنا ایک خاص مقام رکھتی تھی، علاوہ ازیں مصری اور ایرانی تہذیبیں جزیرہ عرب کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے تھیں، جب کہ یہودیت اور عیسائیت خود قلبِ جزیرہ میں اپنی جڑیں استوار کر چکی تھیں۔

ان حقائق سے یہ بات پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر اس پہلی پود نے اپنی ساری توجہات صرف قرآن کریم پر مرکوز کر دیں تو اس کی یہ وجہ قطعاً نہ تھی کہ یہ پود بھی افلاس کا شکار تھی یا عالمی تہذیبوں سے بالکل بے خبر تھی، اور اگر اس نسل نے صرف قرآن کو اپنا کعبۂ مقصود بنایا تو اس کی وجہ یہ ہرگز ہرگز نہ تھی کہ وہ ثقافتی دنیا کے سلسلے سے بالکل ناواقفیت کی تاریکی میں تھی، یا اس کے لیے ان عالمی تہذیبوں میں مدغم ہو جانا ممکن نہ تھا، آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس نے قصداً ساری تہذیبوں سے اپنی آنکھیں موند لی تھیں اور ارادی طور پر اس نے قرآن پاک کو اپنے لیے حرزِ جان اور اپنا کعبۂ مقصود بنایا تھا، آپ کو یاد ہوگا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں توریت کا ایک نسخہ دیکھا تو غضبناک ہو گئے اور فرمایا:-

واللّٰہ لو کان موسیٰ حیاً بین اظہرکم ما حل لہ الا ان یتبعنی۔	بخدا اگر موسیٰ (علیہ السلام) اس وقت تمہارے درمیان زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی جائز نہ ہوتا سوائے اس کے کہ وہ میری پیروی کرتے

رسولِ پاک کے اس ارشاد سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کی منشا کیا تھی، آپ چاہتے تھے کہ تربیت کے ابتدائی دور میں اس نسل کی ساری توجہات کا مرکز صرف کتاب اللہ ہو تاکہ اس کی اٹھان بالکل قرآنی اصولوں پر ہو، اور اس کے رگ و ریشے میں قرآنی تعلیمات جذب ہو کر رہ جائیں، آپ چاہتے تھے کہ قرآن ہی اس کا ذہن ہو، قرآن ہی اس کا مزاج ہو، اس کی شریانوں میں قرآن کی روح خون بن کر دوڑنے لگے، اس کے خیالات و جذبات میں قرآن ہی کا جلوہ ہو، اس کے افکار اور اس کی امنگیں قرآن ہی کی آئینہ دار ہوں، مختصر یہ کہ وہ قرآن کی چلتی پھرتی زندہ تصویر ہو، اس کا ایک ایک قول اور ایک ایک عمل قرآن کا ترجمان ہو، کیونکہ ؎

تو ہے جب پیام اس کا پھر پیام کیا تیرا
تو ہے جب صدا اس کی آپ بے صدا ہو جا

چنانچہ اس نسل نے قرآن پاک کو سینے سے لگایا اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنی ساری توجہات اسی پر مرکوز کر دیں۔ اسی کا نتیجہ ہے تاریخ میں اسے ایک امتیازی مقام حاصل ہوا، ایسا مقام جو اب تک کسی قوم اور کسی نسل کو حاصل نہ ہو سکا۔

پھر کیا ہوا، بہت سے چشمے ایک دوسرے میں مل گئے وہی چشمے جن سے بعد کی نسلیں سیراب ہوئیں اور ہوتی ہیں۔ ان میں یونانی فلسفہ، ایرانی نظریات، یہودی اسرائیلیات، عیسائی لاہوت اور بہت سی دوسری تہذیبوں کی آمیزش ہو گئی۔ ان چیزوں سے جہاں عقیدہ و اصول محفوظ نہ رہ سکے وہیں علم کلام اور تفاسیر قرآن بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی نسلوں کی اٹھان بالکل مختلف انداز پر ہوئی اور پہلی جیسی مثالی نسل

دوبارہ معرض وجود میں نہ آسکی۔

ہم میں اور اس پہلی پود میں غیر معمولی فرق کی ایک وجہ اور ہے۔ وہ قرآن اس لئے نہیں پڑھتی تھی کہ اس سے معلومات میں اضافہ ہو، اس لئے نہیں کہ اس کے ترنم اور صوتی محاسن سے نفس کو حظ حاصل ہو۔ اس لئے بھی نہیں کہ اس میں علوم و معارف کے خزانے ڈھونڈھ کر لوگوں پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھائے، اس لئے بھی نہیں کہ اس کے قصص و حکایات سے لطف حاصل ہو، اس لئے بھی نہیں کہ اس سے زبان و ادب کا فائدہ ہو اور فصاحت و بلاغت کے نئے نئے اصول و انداز معلوم ہوں۔

وہ قرآن صرف اس لئے پڑھتی تھی کہ اس سے منعم و محسن آقا کی مرضی معلوم ہو۔ یہ معلوم ہو کہ جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے، جس خدا نے ہمیں زندگی جیسی بے بہا دولت عطا کی ہے۔ جس خدا نے بطن مادر کی تیرہ و تاریک کوٹھری میں ہماری صورت گری کی اور پھر اس وقت سے لے کر اب تک مسلسل الطاف و کرم کا مینہ برسا رہا ہے جس آقا کی شان رحیمی کا یہ عالم ہے کہ ہماری زندگی کا ایک لمحہ بھی اس کی رحمتوں اور مہربانیوں سے خالی نہیں، رحمتیں بھی ایسی کہ ان میں سے ایک کا بھی حق ادا کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے، آخر وہ مہربان و رحمان آقا، وہ حنان و منان مولیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ ہم کو کس حیثیت میں دیکھنا چاہتا ہے، آخر اس کو ہم کس طرح خوش کر سکتے ہیں کس طرح اس کے سامنے اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ خدائے تعالیٰ کا کوئی اشارہ پاتے ہی سر تسلیم خم کر دیتے اور پوری رضامندی کے ساتھ اپنی خواہشات سے دستبردار ہو جاتے۔ پوری مستعدی سے ہر وقت تعمیل حکم ربانی کے لئے حاضر رہتے اور اس کے لئے ہر قسم کی زحمتیں اٹھاتے اور طرح طرح کی قربانیاں دینے کے لئے تیار رہتے۔ میدان جنگ کا ایک وفادار سپاہی جس طرح اپنے محبوب سالار کا حکم سننے کے لئے ہمہ تن گوش رہتا ہے اور اس کے ہونٹوں کی جنبش کے ساتھ ہی سرگرم عمل ہو جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ مستعد اور سرگرم وہ لوگ ہوتے ہیں۔

غالباً آپ نے سنا ہوگا وہ لوگ کبھی اس بات کی کوشش نہ کرتے کہ ایک ہی نشست میں بہت سی آیتیں سن لیں یا بہت سے مطالبات شریعت معلوم کر لیں آخر اس میں کیا راز تھا جب کہ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ ــــ بہت زیادہ قرآن کے شیدائی تھے اور دین حق کے فداکار تھے، اس میں یہی اور صرف یہی راز تھا کہ ان کو اپنی حیثیت کا علم اور اپنی ذمہ داریوں کا زندہ احساس تھا وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ قرآن کریم جو ہمارے محبوب محسن کا کلام ہے، حظ نفس یا طرب محفل کے لئے نہیں آیا ہے، وہ اس لئے آیا ہے کہ اسے دل کی محفل میں بسایا جائے، وہی ہمارے دل کی دھڑکن

ہمارے ذہن کا فکر بن جائے، اسے ذہن و دماغ کے خانہ میں جگہ دی جائے، کاغذی اوراق کے بجائے اسے زندہ و متحرک پیکر عطا کیا جائے۔ ہماری زندگی کی حرکت اسی کا زمزمہ ہو اور دست عمل کی جنبش میں اسی کا جلوہ ہو۔ ظاہر ہے یہ کام کتنا دشوار ہے۔ اس کی دشواریوں سے وہ خوب واقف تھے، وہ سمجھتے تھے قرآن کی ہر آیت اپنی جگہ ایک عظیم بوجھ ہے، اس بوجھ کو اٹھانا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے بہت ہی جاں گسل محنت اور انتہائی عزم و حوصلے کی ضرورت ہے چنانچہ پہلے وہ اپنے کو تولتے ہیں، اپنی قوت کا اندازہ لگاتے اس کے بعد مزید بوجھ اٹھانے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف سورۂ بقرہ ختم کرنے میں بارہ سال لگ گئے۔

یہی شعور، یہی جذبہ اور یہی جوش عمل تھا جس نے ان کے سینوں کو علوم کا گنجینہ بنا دیا تھا۔ "جو کچھ جانا جائے اس پر خود بھی کیا جائے" یہی ولولہ تھا جس کی وجہ سے ان کے ذہن و دماغ میں حقائق و معارف کا ایک بحر ناپیدا کنار موجزن تھا، قول و عمل میں کامل ہم آہنگی ہو۔

یہی احساس اور یہی عزم تھا جس کی وجہ سے ان کے اندر علم و بصیرت اور تفقہ فی الدین کا انتہائی جاں فزا ذوق پیدا تھا اور پھر اسی احساس و عزم کا کرشمہ تھا کہ ان کے لئے مشکل سے مشکل کام آسان تھا، دین و شریعت کے تقاضے پورے کرنا اور اس کی عظیم ذمے داریوں سے عہدہ بر آ ہونا ان کے لئے تسکین و راحت کا سامان تھا، پھر اتنا ہی نہیں، اسی احساس کا فیض تھا کہ قرآن ان کے اندر جذب ہو کر رہ گیا تھا، وہ قرآن کی زندہ تصویر اور اس کا چلتا پھرتا نمونہ بن گئے تھے، قرآن ان کے ذہن و دماغ پر ہی نہیں، ان کے اعضاء و جوارح پر بھی حکمرانی کر رہا تھا۔ قرآن ان کے افکار و خیالات ہی کے دائرے میں منعکس نہ تھا، ان کے قول و عمل میں بھی اس کا جلوہ تھا۔ (باقی آئندہ)

یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ

از مولانا مفتی محمد یوسف صاحب پاکستان

ہم جب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ آج اس ملک میں ہر جگہ بے دینی کا دور دورہ ہے، فواحش و منکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے، عیسائیت، قادیانیت اور انکار حدیث کے فتنے ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر قسم کی مزاحمت کے بغیر پھیل رہے ہیں، ہمارے دینداروں اور مذہب کے ٹھیکیداروں کی زبانیں ہرگز حرکت نہیں کر سکتیں —— ایک مولانا مودودی کا جب نام آتا ہے تو ان کے خلاف زبانیں اس قدر بے لگام ہو جاتی ہیں کہ ان سے نکلنے والی باتیں ایک شریف الطبع انسان کی زبان پر نہیں آ سکتیں، چہ جائیکہ ایک عالم دین کی زبان سے ایسی باتیں نکلیں تو ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ یہ کیا معمہ ہے کہ عیسائیت کے خلاف کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، قادیانیوں کے خلاف ایک حرف بھی اب زبانوں پر نہیں لایا جاتا، صرف ایک مولانا مودودی ہیں کہ جادۂ حق پر گامزن ہونے اور اسلام کی صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے کے جرم میں آج ان پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔

ہفت روزہ زندگی لاہور

خمینی کے پیامبر سید مودودی کے رو برو

"خمینی ایران کے مولانا مودودی ہیں": یہ الفاظ بی بی سی نے نومبر میں ایران کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہے تھے۔ اسی ماہ گارجین نے مارٹن وولا کاٹ کا ایک مضمون شائع کیا۔ تہران سے ارسال کردہ اس مضمون میں ممتاز برطانوی اخبار نویس نے ایران، مصر اور پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا نفاذ شریعت کی تحریکوں کی جڑیں جس فکری سرچشمہ سے پھوٹی ہیں اس کا سراغ ماضی میں موجودہ صدی کے آغاز سے ملتا ہے۔ آیت اللہ خمینی اور پاکستان کے مولانا مودودی کی عمر بالترتیب ۷۶ سال اور ۷۵ سال ہے اور یہ عمر ہی واضح نشاندہی کر رہی ہیں کہ یہی عہد نفاذ شریعت کی تحریکوں کا آغاز ہے۔ مارٹن وولا کاٹ نے اس مضمون میں صاف صاف لکھا کہ مولانا مودودی اور روح اللہ خمینی عالم اسلام کی تحریکوں کے قائد ہیں۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی عظیم الشان تحریک کو کچلنے کے لئے شاہ کے مظالم انتہا کو پہنچے تو سید مودودی نے اعلان کیا: "غیر انسانی سلوک وحشیانہ ظلم و ستم ہم شاہ ایران اور ان کے ایجنٹوں کی واشگاف الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، ہم اپنے ایرانی بھائیوں کی کامیابی اور ایران میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے لئے دعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد وہ دن لائے جب ایرانی عوام کا خون رنگ لائے اور وہ کامیاب ہوں اور ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ کر کے دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوں۔" اسلامی انقلاب کے لئے اپنی جانوں پر کھیل جانے والے ایرانی بھائیوں کی حمایت میں یہ پہلی آواز تھی جو پاکستان سے بلند ہوئی۔

اس سے قبل ۱۹۶۳ء میں بھی سید مودودی کے ترجمان القرآن ہی میں ایران کی اسلامی تحریک کی حمایت میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں ایران میں برپا ہو رہی دینی کشمکش کا بالتفصیل ذکر کیا گیا تھا۔ اس مضمون کی اشاعت پر ترجمان القرآن کو چھ ماہ کیلئے بند کر دیا گیا تھا

ایران میں اسلامی انقلاب کی یہ بے مثال تحریک کامیابی کے فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوئی، شاہ نے بہتے ہوئے آنسوؤں اور ہلکے سے بہتے ہوئے کاجل کے ساتھ ایران کو (شاید ہمیشہ کے لئے) خیرباد کہا، تو اس سے اگلے ہی روز ایران کی اسلامی تحریک کے قائد جناب آیت اللہ روح اللہ خمینی کے دو نمائندے سید مودودی کے لئے ایک خصوصی پیغام لے کر پاکستان پہونچے۔ کراچی میں ایک روز گذارنے کے بعد ہفتے کی صبح جناب ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد لاہور ایئر پورٹ پہنچے، تو ان کے استقبال کے لئے جماعت اسلامی کے سکریٹری جنرل قاضی حسین احمد، پنجاب کے امیر مولانا فتح محمد، جناب اسلم سلیمی، سید اسعد گیلانی اور چودھری محمود احمد کے علاوہ شیعہ رہنما خواجہ علی محمد، سید علی مرزا، مولانا غلام مرتضیٰ موسوی، مولانا غلام حسین نجفی اور مولانا محمد شفا اپنے ساتھیوں کی بڑی تعداد کے ساتھ موجود تھے۔ پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ اسٹوڈنٹس یونین کے صدر ملک اختر کی قیادت میں جناب خمینی کے نمائندوں کے استقبال کے لئے آئے تھے۔

انجینئرنگ یونیورسٹی کے طلبہ لاہور میں مقیم ایرانی طلبہ اور خواتین، اسلامی جمعیت طلبہ اور امامیہ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما بھی ہاتھوں میں پھولوں کے ہار اور دلوں میں محبت عقیدت کے بے پناہ جذبات لئے ہوئے موجود تھے۔ معزز مہمان پھولوں کی بارش میں رن وے سے باہر آئے اور ایئرپورٹ "انقلاب انقلاب، اسلامی انقلاب" اور "مودودی خمینی بھائی بھائی" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔

موٹر سائیکلوں اور کاروں کے جلوس میں علامہ خمینی کے نمائندے ۵-اے ذیلدار پارک پہنچے تو فضا ایک بار پھر "شیعہ سنی اتحاد" اور "اسلامی انقلاب" کے نعروں سے گونج اٹھی، جناب ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد، سید مودودی کی رہائش گاہ پر پہنچے تو ان کی عجیب حالت تھی۔ محبت، احترام اور عقیدت کے تمام جذبے ان کے چہرے، دل پر اور آنکھوں میں سمٹ آئے تھے۔ سید مودودی علالت کے باعث باہر آکر اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کرنے سے معذور تھے۔ جناب سید کے ریڈنگ روم کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور جناب کمال اور محمد بڑے ادب اور احترام کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور آگے ہی بڑھے وہ جھک کر سید مودودی کے ہاتھ چوم رہے تھے پھر سید مودودی کو جناب خمینی کے پیغام کا سربمہر لفافہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا: - مولانا! آپ محض پاکستانی لوگوں کے ہی قائد نہیں، ایران کا نوجوان طبقہ بھی آپ کو اپنا رہنما سمجھتا ہے، آپ کی انقلاب آفریں تصانیف میں سے بیشتر کا فارسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے، اہل ایران آپ کو پاکستانیوں سے زیادہ جانتے ہیں اور ایران میں اسلامی انقلاب کی موجودہ تحریک کی نشوونما میں آپ کے لکھے ہوئے انقلابی لٹریچر نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

مولانا محترم نے اس موقع پر جناب خمینی کی صحت کے بارے میں دریافت کیا تو ڈاکٹر کمال نے بتایا۔ ان کی صحت بہت اچھی ہے، وہ سادہ غذا کھاتے ہیں اور رات کو کم از کم تین گھنٹے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ مولانا مودودی نے فرمایا:-

بے شک خمینی خدا ترس انسان ہیں۔" ڈاکٹر کمال کے استفسار پر مولانا مودودی نے بتایا کہ سنہ ۱۹۶۳ء میں مکہ میں ان کی جناب آیت اللہ خمینی سے ملاقات ہوئی تھی۔

مولانا مودودی نے اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی آمد پر بہت خوش ہوں۔ میری طرف سے آیت اللہ خمینی کو شکریہ ادا کیجئے کہ انھوں نے مجھے یاد رکھا مسلمان چاہے پاکستان میں ہوں یا ایران ترکی یا کسی اور ملک میں، وہ سب ملت واحدہ ہیں، ہم دل و جان سے آپ کی اسلامی تحریک کے حامی ہیں، ہم میں کوئی وجہ اختلاف نہیں، ہمارا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے، قرآن ایک ہے، جناب ڈاکٹر کمال نے مولانا محترم کے جواب میں کہا کہ انشاء اللہ پاکستان دار السلام بن کر رہے گا، ہم ایران میں حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں اور پاکستان میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہاں کے لوگ کس طرح ایران کی اسلامی تحریک میں دلچسپی لے رہے ہیں، حکومت کے لرزہ خیز مظالم کے باوجود اہل ایران نے سب سے بڑے بت کو گرا دیا ہے، یہ تحریک وہاں کے غریب عوام کی تحریک بھی ہے اور اس تحریک میں سب سے زیادہ خون ان لوگوں نے دیا جن کے تن پر کپڑے اور پیٹ میں روٹی نہیں ہوتی تھی، ہم ایران میں غریب اور امیر کا فرق قرآنی اصولوں کے مطابق ختم کرنا چاہتے ہیں، یہ کوئی جذباتی تحریک نہیں، اہل ایران پورے شعور کے ساتھ اسلامی تحریک میں شامل ہوئے ہیں، شاہ اور دیگر عناصر نے اس تحریک کو ناکام بنانے کے لئے شیعہ سنی فسادات کرانے کی کوشش بھی کی مگر یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی، شیعہ سنی سب اس تحریک میں پیش پیش رہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سب مسلمان ہیں فروعی اختلافات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

اس موقع پر انجینئر محمد نے کہا کہ مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان نوجوان بھی چاہتے ہیں کہ دنیا کی تمام مسلمان حکومتیں متحد ہو جائیں اور سید محترم! ہم سمجھتے ہیں کہ آیت اللہ خمینی اور مولانا مودودی کی جد و جہد کے نتیجے میں انشاء اللہ عالم گیر اسلامی اتحاد عمل میں آئیگا اور اس کے بعد تمام عالم اسلام کی کایا پلٹ جائے گی۔

سید مودودی اور جناب خمینی کے نمائندوں کی گفتگو ایک گھنٹہ جاری رہی، یوں محسوس ہوتا تھا، جناب کمال اور محمد چاہتے ہیں کہ گفتگو کا یہ سلسلہ دراز تر ہو جائے کہ

حاصلِ زیست ہیں یہی لمحے

لیکن سید صاحب کے چہرے پر کلال کے آثار دیکھ کر انھوں نے سلسلہ کلام مختصر کر دیا۔ جناب سید نے ایران کی اسلامی تحریک کے شہداء کے لئے دعائے مغفرت کی اور جناب خمینی کے لئے تفہیم القرآن اور سیرت النبیؐ (انگریزی ترجمہ) کے سیٹ پیش کئے، مولانا محترم نے ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد کو بھی تفہیم القرآن اور سیرت طیبہ کے سیٹ دئے، جس پر انھوں نے کہا "یہ بہترین تحفہ ہے، ہم آپ کی دیگر تصانیف کی طرح سیرت طیبہ کی جلدوں کا بھی جلد ہی فارسی میں ترجمہ کرالیں گے"۔

مولانا مودودی سے ملاقات کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد نے کہا کہ سید مودودی کے نام جناب خمینی کا خط سر بمہر ہے لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ

حضرت آیت اللہ خمینی نے مولانا محترم کی اس حمایت پر شکریہ ادا کیا ہے جو ایران میں اسلامی تحریک کی ابتدا ہی سے ہمیں حاصل رہی ہے۔ اس موقع پر ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ خمینی کی نامزد کردہ اسلامی انقلابی کونسل عارضی ہوگی۔ وہ ایک دستوری مسودہ تیار کر کے اس پر ریفرنڈم کرائے گی اور پھر آزادانہ انتخابات ہوں گے۔ اس سوال کے جواب میں کہ ایران میں اسلامی جمہوریہ ہوگا یا عوامی جمہوریہ؟ انھوں نے کہا کہ اہل ایران اسلام کے سوا کسی اور چیز کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔

شام کو انھوں نے محمد علی زیدی کی رہائش گاہ میں ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کی طرف سے دیے گئے ایک عصرانے میں شرکت کی۔ عصرانے میں بہت سے شیعہ علماء بھی موجود تھے۔ جماعت اسلامی کے سکرٹری جنرل قاضی حسین احمد بھی عصرانے میں شریک ہوئے۔

اگلے روز ۱۸ جنوری کی صبح جامعہ پنجاب کے فیصل آڈیٹوریم میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے زیر اہتمام ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر کمال نے کہا کہ اس تحریک کے دوران میں آقائے خمینی کو حمایت اور تعاون کے جتنے بھی پیغامات موصول ہوئے ان میں مولانا مودودی کا پیغام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایران میں اسلامی انقلاب کی یہ تحریک کوئی اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ ایک وسیع پس منظر رکھتی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ایرانی عوام کی بے پناہ قربانیوں کے نتیجے میں برپا ہونے والا اسلامی انقلاب پورے عالم اسلام پر مثبت اثرات مرتب کرے گا۔ اب ایران میں شاہ کے نام نہاد سفید انقلاب کے تمام آثار ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں گے اور ایران میں مکمل اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا۔ ایران سے اب کبھی اسرائیل کو تیل کی فراہمی نہیں ہوگی اور ایران میں اسلامی انقلاب کے نتیجے میں فلسطینی عوام کی آزادی کے راستے بھی کھل جائیں گے۔

سہ پہر کو آقائے خمینی کے نمائندوں کے اعزاز میں جماعت اسلامی لاہور کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔ جناب ڈاکٹر کمال نے اپنی تقریر میں کہا کہ آقائے خمینی نے مولانا مودودی کے نام اپنے پیغام میں شیعہ سنی اتحاد پر زور دیا ہے۔ انجینئر مجد نے اپنی تقریر میں ایران میں اسلامی تحریک کے پس منظر اور شاہ کے وحشیانہ مظالم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایران میں بدترین استبداد کا دور دورہ تھا، تمام ذرائع و وسائل اور تیل سے حاصل ہونے والی بے پناہ دولت ایک ہی خاندان کے ہاتھوں میں تھی۔ شاہ نے اپنے استبدادی اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لیے علماء پر وحشیانہ مظالم ڈھائے۔ انھیں زندہ جلا دیا گیا، ممتاز دانشور آقائے علی شریعتی اور کئی دیگر علماء پراسرار طور پر قتل کرا دیے گئے۔ انھوں نے قم کے دینی مدارس کے طلبہ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا، جنھوں نے اس تحریک کا آغاز کیا تھا اور پھر اسے اپنے جوان اور سرخ خون سے پروان چڑھایا۔

اس موقع پر ممتاز شیعہ رہنما علامہ آغا مرتضیٰ پویا نے بھی خطاب کیا۔ انھوں نے کہا کہ استعماری طاقتیں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے ملت اسلامیہ کو مختلف بنیادوں پر تقسیم کرتی رہی ہیں۔ فرقہ وارانہ منافرتیں بھی اسی سلسلے

کی گئی ہیں اور آقائے خمینی اور سید مودودی کا بھی پیغام ہے کہ مسلمان اپنے فرقہ وارانہ اختلافات کو پس پشت ڈال کر عالمگیر اسلامی انقلاب کے لئے متحد ہو جائیں، شاہ ایران کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ شاہ یہودیوں کا ایجنٹ تھا، اس نے لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں محض اس لئے شرکت نہ کی کہ اسے خدشہ تھا، اس کانفرنس میں اسرائیل کے خلاف اور فلسطینیوں کی حمایت میں قرارداد پیش کی جائے گی۔

آقائے خمینی کے نمائندے لاہور میں اہل تشیع کی معروف درس گاہ جامعۃ المنتظر بھی گئے اور طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے آئندہ برسوں میں اسے عالمگیر اسلامی انقلاب کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگی۔ انھوں نے طلبہ پر زور دیا کہ وہ ملت اسلامیہ میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے جدوجہد کریں۔

جناب ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد کے اعزاز میں جماعت اسلامی کے ہیڈ کوارٹر منصورہ میں ایک شاندار دعوت عشائیہ کا اہتمام کیا گیا، اس تقریب میں جناب مولانا عبید اللہ انور معروف شیعہ راہنما آغا مرتضیٰ پویا، غلام مرتضیٰ موسوی اور لاہور میں مقیم عرب اور ایرانی طلبہ اور [illegible] باشندوں نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی۔

جماعت اسلامی پاکستان کے سکرٹری جنرل جناب قاضی حسین احمد نے اس موقع پر اپنے خطبۂ استقبالیہ میں اس امر پر مسرت کا اظہار کیا کہ اہل اسلام تمام جاہلی عصبیتوں کو پس پشت ڈال کر اسلامی انقلاب کے لئے متحد ہو رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامی انقلاب کی تحریکیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مستقبل اسلام کا ہے استعماری طاقتیں اب زیادہ دیر تک انسانیت کا استحصال نہیں کر سکتیں۔ آقائے خمینی کے نمائندے انجینئر محمد نے اپنی جوابی تقریر میں قرآنی آیات کے حوالوں سے مسلمانوں میں اتحاد کی اہمیت بیان کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایران میں اسلامی انقلاب تمام سماجی برائیوں کا خاتمہ کر دے گا اور یہ عالمگیر اسلامی انقلاب کا نقطۂ آغاز ہوگا۔

اور ۲۲ جنوری کی شام کو لاہور ایئرپورٹ کی فضائیں ایک بار پھر اسلامی انقلاب اور مسلم اتحاد کے نعروں سے گونج رہی تھیں۔ ایران کی اسلامی تحریک کے قائد جناب خمینی کے نام سید مودودی کا جوابی پیغام لے کر ڈاکٹر کمال اور انجینئر محمد پاکستان سے روانہ ہو رہے تھے۔ محبتوں کی خوشبو پھیل رہی تھی، عصبیتوں کے اندھیرے سمٹ رہے تھے، شیعہ سنی گلے مل رہے تھے، اور۔ ع

گلاب پتھر سے اُگ رہا تھا

مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔

"میں نے مولانا آزاد مرحوم، مولانا مدنی مرحوم اور ان کے ہم خیال حضرات کے بعض نظریات سے ان کی زندگی میں اختلاف ضرور کیا ہے، مگر شخصی طور پر نہ میں ان کی زندگی میں ان کا مخالف تھا نہ اب ان کے انتقال پا جانے کے بعد یہ صحیح سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص ان کا ذکر برے الفاظ میں کرے۔ ان کی زندگی میں بھی اختلاف کیا تو میں نے ایک دائرہ حسب ضرورت کیا۔ ان کی مخالفت کو وظیفۂ زندگی نہیں بنایا۔"

خاکسار ابوالاعلیٰ: بنام محمد عارف صاحب سرگودھا مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۶۳ء

(مکاتیب مودودی حصہ اول ص ۴۴)

بدر جمال اصلاحی

ہمارے رسم الخط کا مصلح اعظم

ابنِ مقلہ

ابتدائی حالات

پیغمبرِ قلم ابو علی محمد بن علی بن حسین بن مقلہ موجودہ عربی رسم الخط کا موجد ہے۔ اس کی پیدائش بغداد میں ۲۰ شوال ۲۷۲ھ کو ہوئی۔ یہ نسلاً عجمی ہے۔ اس کے آباء و اجداد شیراز کے رہنے والے تھے۔ اصل نام محمد بن علی ہے مگر ابن مقلہ کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

تعلیم بغداد ہی میں حاصل کی۔ تمام علوم و فنون مروجہ (تفسیر، حدیث، فقہ، شعر و ادب، تاریخ، ریاضی اور انشاء پردازی وغیرہ) میں کمال حاصل کیا۔ علمی لیاقت اور حسنِ تدبر میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتا تھا، لیکن آج اس کی تمام تر شہرت صرف اس کے حسنِ خط کی وجہ سے ہے۔

حسنِ خط کی وجہ سے شہرت

حسنِ خط کی بدولت اسے دنیا کے مشہور ترین اہلِ کمال کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے۔

فَصَاحَةُ سُحْبَانَ وَخَطُّ ابْنِ مُقْلَةَ وَحِكْمَةُ لُقْمَانَ وَزُهْدُ ابْنِ اَدْهَم، اِذَا اجْتَمَعَتْ فِي الْمَرْءِ الْمُفْلِسِ فَلَيْسَ لَهَا قِيْمَةُ زَيْفٍ اَبْرَدِ دِرْهَم۔

(اگر غریب آدمی کو سحبان کی فصاحت، ابن مقلہ کا خط، لقمان کی دانائی اور ابن ادہم کی پرہیزگاری حاصل ہو جائے تو بھی اس کی قدر ایک درہم کے برابر بھی نہ ہوگی۔)

اس نے ایسے حسین خطوں کی ایجاد کی کہ ایک عالم محوِ حیرت ہے۔ ابو عبید بکری اندلسی کہتا ہے۔

(ترجمہ) اگر کوئی شخص ابن مقلہ کا خط دیکھے تو اس کے تمام اعضاء تمنا کریں گے کہ ہم آنکھیں بن جائیں تاکہ اس کے خط کو دیکھ سکیں۔)

صدیاں گزر جانے کے باوجود جب شعراء اپنے ممدوح کے حسنِ خط کی تعریف کرتے ہیں تو انھیں ابن مقلہ ہی یاد

[1] صحیفۂ خوشنویساں ص۲۵ از احترام الدین احمد شاغل، مطبوعہ مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ۔

آتا ہے ۔ سعدی شیرازی کہتے ہیں :-

گر ابنِ مقلہ دگر بار در جہاں آید
چناں کہ دعویٔ معجز کند بسحر مبیں
بآبِ زر نتواند کشید چوں تو الف
بسیم حل نہ نگارد بسان نغز تو سیں

ذوقی رجوی کا قطعہ ہے

وہ روشنی ترے خط میں کہ ابن مقلہ اگر
لگائے آنکھوں سے سرمہ کی جا تری تحریر
تو ہو یہ نور بصارت کہ پڑھ لے حرف بحرف
جو ہو رہے لوحِ جبیں پر نوشتۂ تقدیر

شیراز کی گورنری

ابن مقلہ کی ذات مجموعۂ کمالات تھی، وہ طلسماتی شخصیت کا مالک تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ اپنی لیاقت کی بدولت دربار خلافت تک جا پہنچا۔ بنی عباس کے اٹھارویں خلیفہ المقتدر باللہ (سنہ ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) کا زمانہ تھا۔ خلیفہ نے ابن مقلہ کو جوہر قابل پا کر شیراز کا گورنر بنا دیا۔ ابن مقلہ نے اپنے منصب کو اس خوبی سے نبھایا کہ اس کی شہرت دور دور ہو گئی اور شیراز اہل کمال کا مرجع بن گیا۔ خلیفہ اس کی لیاقت سے بہت خوش ہوا اور دوسرے علاقے بھی اسے عطا کئے ۔

وزارت عظمیٰ کی آرزو

مگر ابن مقلہ وزارت عظمیٰ کا خواہاں تھا اور درپردہ بغداد پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔ خلیفہ نے بھی اس کی لیاقت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اسے بغداد بلا کر امور خلافت میں لگا لیا۔ اس وقت ابو الحسن علی بن فرات وزیر اعظم تھا۔ اگرچہ ابو الحسن مدبر اور صاحب فضل و کمال شخص تھا، لیکن ابن مقلہ کے حسن تدبر سیاست اور قابلیت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ تمام امور وزارت اسی کے سپرد کر دئے اور جملہ اہل حاجت اور عمائد حکومت ابن مقلہ کی طرف رجوع کرنے لگے ۔

آخر کار ابن مقلہ نے ابو الحسن کے حاسدین اور مخالفین سے ساز باز کیا اور خلیفہ کو اس قدر بدظن کیا کہ اس نے ابو الحسن کو وزارت سے برطرف کر کے قید کر دیا اور اس کی جگہ علی بن عیسیٰ کو منصب وزارت سے سرفراز کیا، یہ ابو الحسن کے معتوبین میں تھا لیکن اسے بھی کرسی وزارت ساز گار نہ آئی اور بہت جلد سازشوں کا شکار ہو کر برطرف ہوا اور بیچارے کا تمام مال و منال بھی ضبط ہوا۔ اب ابو الحسن علی بن فرات کو رہائی ملی اور دوبارہ منصب وزارت تفویض ہوا۔ ابو الحسن نے موقع پاتے ہی ابن مقلہ کو گرفتار کرایا اور قید کروا دیا۔ وہ عرصہ تک محبوس رہا۔

خط طوماری کی ایجاد

اسی حبس کے زمانے میں (سنہ ۳۱۰ھ) اس نے خط کوفی سے وہ خط ایجاد کئے جن کی شہرت اور سحر آفرینی آج تک قائم ہے اور جو پورے مشرق وسطیٰ اور مغربی افریقہ اور ایران و پاکستان کے قومی خط ہیں اور مدتہائے دراز تک غرباً شرقاً مغرب اقصیٰ سے مشرق بعید تک اور شمالاً جنوباً ایشیا کے کوچک سے حبش و یمن تک اسی کے ایجاد کردہ خطوں کی دھوم تھی اور ایوان حکومت سے لے کر گلیوں اور بازاروں تک انہی خطوں کا سکہ رائج تھا ۔

ابن مقلہ ابھی رہائی سے مایوس ہو چکا تھا کہ تیرگی قدرت

کا شمار نہ تھا، خلیفہ پھر ابوالحسن سے برہم ہوا اور وزارت کو برطرف کر کے اس کے سنگ دل غلام مونس کے حوالے کیا جس نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کروا ڈالا۔

علی ابن عیسیٰ کو پھر وزیر اعظم بنایا گیا اور ابن مقلہ کو رہا کیا گیا مگر وہ بہت جلد معتوب ہو کر وزارت سے برطرف کیا گیا۔

منصب وزارت

اب ابن مقلہ کا ستارہ چمکا اور اس کی دیرینہ مراد بر آئی یعنی اسے وزیر اعظم بنا دیا گیا، یہ سنہ ۳۱۶ھ کا واقعہ ہے۔ اپنے عہد وزارت میں بھی وہ لوگوں کو خط سکھاتا رہا۔ مگر ابھی دو ہی سال گزرے تھے کہ خلیفہ نے ناراض ہو کر اسے ۳۱۸ھ میں برطرف کر دیا اور اس نے فارس میں جا کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ۳۲۰ھ میں بغاوت ہوئی اور اسی سنگ دل غلام مونس نے خلیفہ کو قتل کر دیا۔

قاہر باللہ کے زمانے میں

مقتدر باللہ کے بعد قاہر باللہ خلیفہ ہوا، اس نے فوراً ابن مقلہ کو بلا کر قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا مگر جلد ہی مونس کی سازشوں سے پھر اسے وزارت سے محروم ہونا پڑا اسی دوران (۳۲۲ھ) میں پھر بغاوت ہوئی اور خلیفہ قاہر باللہ کو تخت سے اتار کر اندھا کر دیا گیا اور وہ سخت مصیبتیں جھیل کر راہی عدم ہوا۔

راضی باللہ کے دور میں

قاہر باللہ کے بعد محمد بن مقتدر باللہ، راضی باللہ کے خطاب سے تخت نشین ہوا وہ ابن مقلہ کا بہت قدردان تھا، لہٰذا اس نے اسے فارس سے بلایا اور وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کیا۔

ابن مقلہ کا یہ دور تھوڑے ہی دن رہا کہ ترک سردار امیر مظفر بن یاقوت سے اس کی عداوت ہو گئی، اس وقت ترک خلافت عباسیہ پر چھائے ہوئے تھے، امیر مظفر نے خلیفہ سے شکایتیں کر کے ابن مقلہ کو وزارت سے برطرف کرا دیا اور عبدالرحمن بن عیسیٰ کو وزیر بنایا جو ابن مقلہ کا سخت دشمن تھا، اس نے ابن مقلہ کی ساری جائداد اور مال و متاع ضبط کر لیا۔

ابن مقلہ کا انجام

اب ابن مقلہ سخت معاشی پریشانی میں مبتلا تھا، اس نے تمام اعزہ و احباب سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور کتابت قرآن مجید میں مصروف ہو گیا، لیکن اس کے لیے ابھی اور بھی خرابی لکھی تھی، اسی دوران اس کا قدیم دشمن ابن رائق بغداد کا امیر الامراء ہو گیا جس نے ابن مقلہ پر مظالم کی حد کر دی اور خلیفہ سے شکایت کر کے ابن مقلہ کا دایاں ہاتھ قلم کروا دیا لیکن ابن مقلہ نے کتابت چھوڑی نہیں، اس نے کٹے ہاتھ پر قلم باندھ کر مشق شروع کر دی اور ویسا ہی پھر لکھنے لگا مزید برآں اس نے بائیں ہاتھ سے بھی لکھنے کی مشق بہم پہنچائی۔

تھوڑے ہی دنوں میں اس نے اپنے خط کی پچھلی شان پیدا کر لی اور دونوں ہاتھ سے یکساں لکھنے لگا، اس کا یہ کمال جب اس کے دشمنوں کو معلوم ہوا تو ان کی آتش غضب بھڑکی خصوصاً ابن رائق کو شدید اندیشہ پیدا ہو گیا لہٰذا اس نے سازش کر کے ۱۰ شوال ۳۲۸ھ کو ابن مقلہ کو قید خانے میں قتل کرا دیا[1]۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

---

[1] چہار گلشن خوشنویسان ص ۲۱

ابن مقلہ کے ایجاد کردہ خطوط

ابن مقلہ نے چھ خط ایجاد کئے :-

(۱) ثُلث (۲) نسخ (۳) ریحان (۴) مُحقّق (۵) توقیع

(۶) رقاع ۔ ملہ (ارشنگ جیسے مستند و سپرسالار بدایونی)

تشریح حسب ذیل ہے :-

ثُلث و نسخ کا دور ۲ دانگ (قط) اور سطح ۴ دانگ ہوتی ہے ۔ جلی کو ثلث اور خفی کو نسخ کہتے ہیں ۔

ثلث کو ثلث اس لئے کہتے ہیں کہ قدیم خط معقلی (حمیری) اور کوفی کے بعد یہ تیسرا خط ہے ۔ اور

اور نسخ کا نام نسخ اس لئے رکھا گیا کہ اس کی ایجاد کے بعد پچھلے تمام خطوط منسوخ ہوگئے ۔

ریحان اور محقق کا دور ڈیڑھ دانگ اور سطح ساڑھے چار دانگ ہوتی ہے ۔ خفی کو ریحان اور جلی کو محقق کہتے ہیں ۔

ریحان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ریحان (پھولوں) جیسی نزاکت اور خوبصورتی ہوتی ہے ۔

اور محقق کو اس لئے محقق کہا گیا کہ اس کے دائروں کی پیمائش میں پوری تحقیق سے کام لیا گیا ہے ۔

توقیع و رقاع میں دور ساڑھے چار دانگ اور سطح ڈیڑھ دانگ ہوتی ہے ۔

توقیع کے معنی دستخط یا وہ شاہی فرمان ہے جس میں مہر کا مضمون ہو ۔

اور رقاع رقعہ کی جمع ہے جس کے معنی پرزہ کے ہیں ۔

گزشتہ زمانے میں مختلف مضمون کیلئے یہ مختلف خط رائج تھے ۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات

(علامہ سید سلیمان ندوی)

ہمارے سامنے اسلام خود ایک بہت بڑی حقیقت اور صداقت ہے ، وہ مذہب بھی ہے ، سیاست بھی ، اقتصاد بھی معاشرت بھی ہے ، اس کے مذہبی و سیاسی اور اقتصادی و اجتماعی بنیادوں کو پھیلانا ، مساوات اور عدل قائم کرنا ، اسلامی احکام کی تبلیغ کرنا ، دنیا سے [illegible] بدکاری شراب خوری قمار بازی اور ظلم کو جڑ سے اکھاڑنا اور ملک میں ایک نیا سیاسی و اقتصادی نظام قائم کرنا اسی کے وہ فرائض ہیں جن سے مسلمان غافل ہیں اور غیر مسلمان اسی کے لئے آج دنیا میں کٹ مر رہے ہیں ..... اب یہ خود ہمارا کام ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور دنیا کا مکمل سیاسی و اقتصادی نظام دنیا کے سامنے پیش کریں اور اس کیلئے کم از کم وہ جذبہ دکھائیں جو آج جین میں جمہوریت اور فاشزم کے حامی دکھا رہے ہیں ..... آج زمانہ بدل گیا ہے تو اصطلاحیں بدل گئی ہیں لیکن حقیقت اپنی جگہ پر ہے ، آج پھر اسلام کے اسی فرض کو ادا کرنا ہے اگر آج کے کارکن جو مسلمانوں میں اس کے ادائے فرض کے سپاہی بنتے کا وجود نہیں تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو زندگی کے میدان میں لاکے اور اس سے اسلام کا یہ فرض ادا کرائے ..... دنیا آج اپنی نجات کی راہ فاشزم ، نازی ازم ، سوشلزم ، کمیونزم یا [illegible] میں ڈھونڈ رہی ہے ، حالانکہ اس کا ایک ہی راستہ ہے ۔ اسلام ۔۔ لیکن اسلام وہ نہیں جو آج عملاً مسلمانوں میں ہے بلکہ وہ جو قرآن و سنت میں ہے کہ آج کی وہ کون سی مشکلیں ہیں جن کا حل ان میں نہیں ۔ ضرورت نئی نظر اور نئی قوت کی ہے [illegible]

امین الہدیٰ فلاحی علیگڑھ

فیضان احمد فلاحی پھولپور

عالمِ اسلام

الجزائر کے نئے صدر کا اعلان

الجزائر کے نئے صدر عقید شاذلی بن جدید نے ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی کے موقع پر ایک تقریر کی جس میں انھوں نے اعلان کیا کہ جزائر میں اسلامی شریعت کو راہ عمل بنایا جائے گا اور ہمہ گوشوں میں اس سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ہارورڈ یونیورسٹی میں شریعت اسلامی کی تعلیم

ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے لا کالج کے وائس پرنسپل پروفیسر ویفرساس نے صراحت کی ہے کہ اب یہاں کالج میں نصاب میں شریعت اسلامی کے مکمل مطالعہ کو شامل کر لیا گیا ہے، مقصد طلبہ کو بین الاقوامی قوانین سے روشناس کرانا اور ان کے نفاذ کے طریقے بتانا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام اب ایک عالمگیر مذہب بنتا جا رہا ہے اور پوری دنیا میں اس کے تحقیق کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ یونیورسٹی اس پروگرام کو چلانے کے لئے عرب ماہرین، فضلاء اور ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کرے گی اور اس موضوع پر ان کے لکچروں کا اہتمام کرے گی۔

بلجیم میں اسلامی سرگرمیاں

اگرچہ بلجیم سے صلیبی حملے ماضی میں عالم اسلام پر ہوتے رہے تھے لیکن اب وہ پہلا یورپین ملک ہے جس نے اپنے ملک میں اسلام کی واقعی موجودگی کا اعتراف کیا ہے۔ وہاں اسلام کی تعلیم عام کرنے کے لئے مرکز اسلامی بلجیک، مساجد و مدارس اور طلبہ کی تنظیموں کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ بلجیک میں ۲۰۰ مسجدیں اور دار السلطنت برسلز میں ۲۰ مسجدیں ہیں جو جمعہ کے دن تنگ پڑ جاتی ہیں، ویسے پنجوقتہ نمازیوں کی تعداد بھی کافی رہتی ہے، وہاں مسلم اقلیتوں کی تعداد تقریباً ڈھائی لاکھ ہے۔ (اخبار العالم الاسلامی ۱۲ فروری)

ایک برطانوی لارڈ کی دوڑ دھوپ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں

برطانوی سوسائٹی لارڈ ملنتون ہیوم کی اشاعت اسلام کے سلسلے میں سرگرمیاں آج کل بڑی حیرت سے دیکھی جا رہی ہیں، یہ نومسلم اسلامی عقائد کی توضیح کرنے اور زمانہ جدید کی بہت سی پیچیدگیوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل

کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کیلئے لیکچرز کا بھی اہتمام کرتے ہیں، ان کی اہلیہ بھی ان کا بھرپور تعاون کرتی ہیں، وہ مرکز اسلامی کی زکوٰۃ کمیٹی کی رکن ہیں اور زکوٰۃ کا مال اکٹھا کرنے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے میں پورا ہاتھ بٹاتی ہیں، ابتک لارڈ ملتون کے ہاتھوں ۱۲ برطانوی نوجوان مشرف بہ اسلام ہوچکے ہیں۔ (البلاغ ۲ م فروری)

بنگلہ دیش میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام پر غور

بنگلہ دیش کے وزیر برائے مذہبی امور پروفیسر سید علی احسن نے کویت میں یہاں کے بڑے ذمہ داروں سے بنگلہ دیش میں ایک اسلامی مرکز اور ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے امکانات پر تبادلہ خیال کیا، انھوں نے فرمایا کہ دونوں ملکوں کی یونیورسٹیوں کے درمیان باہمی تعاون اور بنگلہ دیش میں عربی زبان کی تعلیم کے سلسلے میں بھی باہم گفتگو ہوئی، توقع ہے کہ جلد ہی کوئی اہم اقدام کیا جائے گا۔

تل ابیب میں یہودی کانفرنس
بڑھتی ہوئی اسلامی بیداری پر تشویش کا اظہار

فرانسیسی خبر رساں ایجنسی نے یہودی سیاست دانوں کی ایک کانفرنس کی رپورٹ شائع کی ہے جسے ہم بلا تبصرہ اہم اہل شائع کر رہے ہیں، دیکھئے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت یہودیوں کے لئے کس قدر اہم اور تشویشناک بن چکی ہے

”تل ابیب - ایران کے حالیہ مظاہرے کی طرح کی طرح کیا یہاں مملکت اسرائیل میں رہنے والے عرب مسلمانوں کے اندر بھی کسی قسم کی اسلامی بیداری پیدا ہو رہی ہے؟“

یہ اس کانفرنس کا موضوع بحث تھا جسے عرب ممالک میں کام کرنے والے ماہر یہودیوں نے تل ابیب یونیورسٹی ادارہ شیلواح میں پچھلے دنوں کی تھی۔

عرب ممالک سے ربط رکھنے والی کمیٹی کے وزیر اعظم کے سیاسی مشیر پروفیسر موشارون نے کہا کہ:-

”عوام کو اپنی طرف مائل کرنے میں آج دنیا کی کوئی قوت اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسلام وطن پسند اسلامی تحریکوں کو ایک ہی لائحہ عمل دیتا ہے“

انھوں نے کہا کہ:-

صیہونیت کے ایک بڑے دشمن بیت المقدس کے مفتی اعظم امین حسینی بڑے دین پسند تھے۔“

پروفیسر لیشواخ یوراث نے کہا:-

”یہودی وجود کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے میں مساجد و معابد کا بڑا ہاتھ ہے۔“

پروفیسر بارلیش نے زور دیتے ہوئے کہا کہ:-

”اسلام“ اسلام ایک سیاسی اور اجتماعی قوت بن چکا ہے اور عوام خصوصاً عربی باشندوں کو متحد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے“ آج مسلم پارٹیاں اسرائیل کے خلاف عربی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی مہم چلا رہی ہیں۔“

پروفیسر موشی شارون نے کہا کہ :-

"نصف صدی سے زیادہ مدت سے اسرائیل کے خلاف عربی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی جتنی کوششیں بھی ہوتی رہتی ہیں وہ سب اسلام کے نام پر اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے پردے میں ہوتی ہیں۔"

اس اجلاس کی کارروائی مندرجہ ذیل قرارداد پر ختم ہوئی کہ :-

مملکت اسرائیل میں رہنے والے عربوں میں اسلامی بیداری بالفعل موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں اور دوسرے ملک کے رہنے والے عربوں میں اختلافات پیدا نہیں ہوتے اور اسرائیل کے عربوں اور ایرانی مسلمانوں کے مابین تمام اختلافات کے باوجود اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ کوئی فلسطینی مذہبی قیادت اسرائیلی مسلمانوں کو اپنے گرد اکٹھا کرے جیسا کہ ایران میں آیت اللہ خمینی کر چکے ہیں۔

کانفرنس کے تمام شرکاء اس نتیجے پر پہونچے بغیر نہ رہ سکے کہ عرب اسرائیل میں اسلامی بیداری اسرائیلی عربوں اور یہودیوں میں باہمی تعاون اور مفاہمت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔" (مجتمع ۱۲ فروری [illegible])

اس تبصرے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج اسلام کو دشمن کس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں، کاش یہ واقعات مسلم امت کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہوتے !!

امریکہ کیلئے سب سے بڑا چیلنج ۔ اسلام کی ثقافتی نشاۃ ثانیہ

امریکی روزنامہ سعودی بزنس نے اپنی حالیہ خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر پال وارڈ انگلش کا ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں فاضل مقالہ نگار نے امریکیوں کو کچھ اہم مشورے دیئے ہیں اور ان کے لئے سب سے بڑا چیلنج اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کو بتایا ہے۔ ڈاکٹر پال لکھتا ہے۔

"اس وقت سب سے اہم مسئلہ اسلام کی ثقافتی نشاۃ ثانیہ ہے۔ اس کی پشت پر پیٹرو ڈالر کی قوت کارفرما ہے جس نے مسلمانوں کے لئے ایک نیا کردار ادا کرنے اور اپنی جڑیں پکڑنے کا عزم و حوصلہ پیدا کر دیا ہے اور اب وہ مغربی ٹیکنالوجی کے صرف ان ہی حصوں اور پہلوؤں کو قبول کریں گے جو اسلام سے متصادم نہ ہوں اور وہ جدیدیت جو معاصر عوامل کے غلبہ کو توڑ نہ کرتی ہو، یہی وہ فکری تفاوت اور شکل ہے جو امریکی کاروبار کے لئے ایک چیلنج ہے، مشرق وسطی کا اقتصادی محور امریکی مفاد کو ملا کر رکھ دیگا۔" (دعوت ۱۶ فروری [illegible])

افغانستان میں تحریک اسلامی کے خلاف کمیونزم کا ایک اور حربہ

افغانستان کی خلق پارٹی نے ایک بیان جاری کیا ہے جس میں "اخوان المسلمین" پر الزام لگایا گیا ہے کہ "یہ سرمایہ دارانہ طاقتوں سے امداد حاصل کر رہی ہے جو ملک کے مفاد کے خلاف ہے اس لئے "اخوان المسلمین" اور دوسری اسلامی تحریکوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جاتا ہے۔

دہشت پسندوں اور مجرموں کی جماعت جو "اخوان المسلمین" کے نام سے معروف ہے اور جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اسلام کے پردہ میں جمہوریت کے خلاف صف آرا ہے، اسی طرح مصر میں ناصر کے دورِ حکومت میں جمہوری بیداری کی تحریک مخالف تھی "اخوان المسلمین" کی تاریخ مصر اور اسلامی ممالک میں ملکی غداری اور صرف دشمنوں کی حمایت اور طرف داریوں سے بھری پڑی ہے اسی لئے شیخ الازہر اور دوسرے علمائے دین نے اس کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا تھا، اس لئے اس کے خلاف جہاد ایک دینی فریضہ ہے، جس کو علمائے دین کے فتاویٰ نے فرض کیا ہے اور اس کو ایک مقدس کام سے تعبیر کیا ہے۔

تنظیم خلق پارٹی کی سربراہی محمد تراکی کو حاصل ہے جو روسی کمیونزم کا زبردست حامی ہے، اپنے ملک میں کمیونسٹ انقلاب کو کامیاب کرنے کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کر رہا ہے جو اس کے بس میں ہے، خواہ وہ ظلم و تشدد ہو یا قتل و خون، اس نے جگہ جگہ مسلمانوں اور اسلام پسندوں کے لئے مقاتل اور مذابح قائم کر رکھے ہیں، سڑکوں پر بہتے ہوئے خونِ شہداء کی بکھری ہوئی لاشیں، آباد شہروں کی ویرانی، مکانوں کے ملبہ جات سب کے سب مظلومی اور بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں، کابل کی سڑکیں وہاں کے شہر شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہیں۔

"افغانستان جہاں اسلام اپنے پورے نظام کے ساتھ ابھر رہا تھا اور اسلامی بیداری کی لہر اسلامی تحریکوں کی بدولت پورے ملک میں دوڑ چکی تھی، اچانک یہ ملک کمیونزم کی گود میں چلا گیا، اس لئے آج وہاں بجائے علمائے دین کے وہ درندے ہر طرف پھر رہے ہیں جن کے دانت روسی مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، جن کا عقیدہ آمریت اور نظام ملکیت ظلمی ہے، جن کا پہلا حربہ اسلام اور اسلامی تحریکوں پر جھوٹے الزامات، رجعت پسندی، جمہوریت دشمن، غیر ملکی ایجنٹ کا سنگین الزام لگا کر آخر میں صفایا کرنا مقصود ہوتا ہے اور اسلام کو اس ملک سے جلا وطن کر کے، لوگوں کی عقلوں ان کے دلوں اور ان روحوں سے مل کر ابھرنے والے نظریات و احساسات کی دھلائی مقصود ہوتی ہے کہ ان کی عقل و دماغ جب غور و فکر کی راہ طے کرے تو کمیونزم کی شاہراہ سے اور ہر طرح کی فکری حسیات جو انسانیت کے خمیر سے مرکب ہے اس پر کمیونزم کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ دشمنِ عزت کا روپ دھار لیں، آمریت جمہوریت کی شکل میں نظر آنے لگے، ظلم قتل ناحق سراپا حق معلوم ہونے لگے، غرضیکہ الٹی چیز سیدھی معلوم ہونے لگے اور انسان چلتی پھرتی مشینوں کے مانند ہو جائے جس میں صرف ایسے نظریات کی پیداوار ہو جس پر کمیونزم کا لیبل لگا ہو۔

لیکن ہمیں پورا یقین ہے کہ افغانستان میں اسلامی تحریک کے مجاہدین جنھوں نے ہر قسم کی پیشکش اور مداہنت کو ٹھکرا دیا ہے، برابر ظالمانہ قوتوں کے ساتھ برسرِ پیکار رہیں گے اور مصری "اخوان المسلمین" کی جنگ کو پیشِ نظر رکھیں گے کیونکہ کامیابی انھیں کو حاصل ہوتی ہے جو برابر قربانیاں دیتے ہیں اور مسلسل جہد کیلئے تیار ہو جاتے ہیں (شکریہ الدعوہ فروری

نور محمد فلاحی۔ رسول پور

جامعہ کے روز و شب

چند معزز اساتذہ عازم سفر

۶ فروری۔ آج صبح ۴ بجے مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی، مولانا شبیر انور اصلاحی اور مولانا محمد عیسیٰ صاحب قاسمی جامعہ پر مشتمل ایک وفد ٹیکسی سے بنارس گیا۔ مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی وہاں سے کویت کیلئے پرواز کر جائیں گے اور بقیہ دو حضرات ممبئی کیلئے روانہ ہو جائیں گے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے یہ بزرگ اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہوں اور بخیر و عافیت جامعہ واپس پہونچ آئیں۔

تقریری انعامی مقابلہ

۱۱ فروری۔ عید میلاد النبیؐ کے موقع پر جامعہ کی طرف سے ایک انعامی تقریری مقابلہ کا اہتمام کیا گیا جس میں طلبہ کی کثیر تعداد نے حصہ لیا، مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی صدر مدرس جامعہ کی صدارت میں یہ مقابلہ شروع ہوا۔ کنوینر عبید اللہ نہد (درجہ تخصص) تھے۔ جج کے فرائض مولانا عبد اللہ صاحب بلی لے، مولوی جاوید اشرف فلاحی اور مولوی اظہار احمد صاحب فلاحی انجام دے رہے تھے۔

تین گھنٹے تک یہ پروگرام چلتا رہا۔ انعام پانے والے لائق طلبہ یہ تھے:-

۱۔ ضیاء الرحمٰن (درجہ ششم) I
۲۔ ابوالمجاہد (درجہ ہفتم) II
۳۔ ضیاء الرحمٰن (درجہ چہارم) III

ان کے علاوہ بہت سے طلبہ کو ترغیبی انعامات کا مستحق سمجھا گیا، اس پروگرام سے ایک بات بخوبی واضح ہو گئی کہ اگر طلبہ محنت کریں تو کامیاب خطیب بن سکتے ہیں، آخر میں صدر محترم کے ہاتھوں انعامات تقسیم ہوئے اور آپ نے چند نصائح و مواعظ اور ہدایات کے بعد نشست کے برخاست ہونے کا اعلان کیا۔

۱۲ فروری کو مدرسہ کے ایک دیرینہ سرپرست جناب حاجی محمد اسحٰق صاحب لکھنؤ کی [illegible] تشریف لائے، آپ نے جامعہ کے حالات کا بغور مطالعہ فرمایا، اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت و شہرت اور روز افزوں ترقی پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے تحریری انعامی مقابلہ

۱۵ فروری - آج شام کو ساڑھے آٹھ بجے سے مقابلہ کا آغاز ہوا، مقابلہ کا عنوان تھا "سیرت رسول"۔ طلبہ کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پہلا گروپ عربی ہفتم سے عربی چہارم پر مشتمل تھا اور دوسرا گروپ عربی سوم سے عربی اول پر مشتمل تھا، تقریباً ۱۳ مقالے پیش کئے گئے پہلے گروپ میں بالترتیب اول دوم سوم آنے والے طلبہ یہ تھے :-

۱- اشتیاق دانش (عربی ہفتم) عنوان - "آنحضورؐ کی سیاسی زندگی"۔

۲- صباح الدین (عربی ششم) عنوان - "انا نبی الملحمۃ"۔

۳- جاوید احسن (عربی پنجم) عنوان - "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا"۔

دوسرے گروپ میں انعام پانے والے اول دوم اور سوم طلبہ بالترتیب یہ تھے :-

۱- راشد علی عابدی (عربی سوم) عنوان - "آپؐ کی بعثت کا مقصد، مکارم اخلاق کی تکمیل"۔

۲- ذکراللہ مجاہد (درجہ عربی دوم) عنوان - "انک لعلیٰ خلق عظیم" - (۳) ادیم علی درجہ عربی اول عنوان "انما انا رحمۃ"

اس کے علاوہ بہت سے ترغیبی انعامات بھی دیے گئے - مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عمران احمد فلاحی اور ماسٹر عبداللہ صاحب بی اے جج کے فرائض انجام دے رہے تھے اور برادر صباح الدین (سکریٹری جمعیۃ الطلبہ) کنوینر تھے - درجہ تخصص کے طلبہ بھی خصوصی مدعوین کی حیثیت سے شریک ہوئے اور اپنے مقالے پیش کئے -

مولانا شفیع مونس صاحب کی تشریف آوری

۲۲ فروری - آج صبح کو امیر حلقہ یوپی جماعت اسلامی ہند مولانا شفیع مونس صاحب ناظم ڈویژن گورکھپور جناب مولانا بشیر احمد صاحب صدیقی کے ساتھ جامعہ میں تشریف لائے، آپ نے جامعہ کے اساتذہ وطلبہ اور تحریک اسلامی کے کارکنان سے ملاقات کی اور ان کے مسائل معلوم کرنے کی کوشش کی -

آج ہی شام کو استاذ محترم جناب مولانا انعام اللہ صاحب اصلاحی بھوپال سیرت کانفرنس میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے، آپ کو اس کانفرنس میں تقریر کرنے کیلئے مہمان خصوصی کی حیثیت سے دعوت دی گئی تھی ۲۷ فروری کی دوپہر کو آپ جامعہ واپس آگئے۔

جناب سید امیر الحسینی کی جامعہ میں آمد

۲۷ فروری - آج شام کو ساڑھے پانچ بجے گجرات یونیورسٹی احمد آباد گجرات جناب سید امیر الحسینی صاحب بھائی یوسف پٹیل صاحب کے ہمراہ جامعہ میں تشریف لائے، جامعہ کے جملہ اساتذہ اور طلبہ نے انھیں خوش آمدید کہا، جناب امیر حسینی نے جامعہ کے روز و شب کا بغور مطالعہ کیا، یہاں کے طلبہ و اساتذہ کے باہمی تعلقات طرز معاشرت، طریق تعلیم و تربیت وغیرہ پر خصوصی نظر فرمائی، لائبریری جمعیۃ الطلبہ اور اس کی جملہ سرگرمیوں اور کتب خانہ جامعۃ الفلاح کی بھی سیر کی - (باقی صفحہ ۴۳ پر)

آداب اختلاف

آدمی نے سب کچھ سیکھ لیا مگر اسے اختلاف کرنے کا ڈھنگ نہ آیا۔

کسی اختلاف میں پڑنے سے پہلے مان لو کہ اختلاف فکر و مسلک آدمی کی فطرت کا ایک تقاضا ہے اور تم اختلاف کا کوئی دروازہ کبھی بند نہیں کر سکتے، اس لئے اختلاف کو گوارا کرنے کا ظرف اور اظہار اختلاف کی تہذیب سیکھو اور اس کا سلیقہ پیدا کرو۔ خوب سمجھ لو کہ جس طرح تم دوسروں کی رائے کو بھیڑ بکری یا اینٹ پتھر بن کر اپنے اوپر لد جانے کا موقع نہیں دے سکتے، اسی طرح دوسرے بھی اپنے دماغ اور اپنے سوچنے کی قوتوں کو طلاق دے کر تمہاری رائے کے آگے مفتوح نہیں ہو سکتے۔ جس طرح اپنے فکر و مسلک کو تم اہمیت دیتے ہو دوسرے بھی اپنے افکار و مسلک کو ویسی ہی اہمیت دیتے ہیں۔

اختلاف کا کوئی کلمہ زبان پر لانے سے پہلے خوب سمجھ لو کہ اختلاف کرنے کا ایک ڈھنگ گھٹیا، کم ظرف، غیر مہذب، متعصب، کینہ ور اور بازاری لوگوں کا ہوتا ہے اور دوسرا ڈھنگ اشراف، اعلیٰ ظرف، اصلاح پسند، مہذب اور معقول لوگوں کا ہے، تمہیں موخرالذکر ڈھنگ اختیار کرنا چاہئے۔

اختلاف کا ہمیشہ صحیح تخمینہ قائم کرو کہ وہ کس معاملے میں کہاں تک ہے اور اس کے بالمقابل اتفاق رائے کا دائرہ کہاں سے کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اختلاف اصولی ہے یا فروعی، کلی ہے یا جزئی۔ پھر اس کی نوعیت متعین کرنے کے بعد اس امر کا اہتمام کرو کہ اختلاف اپنے سرحدی خطوط سے بڑھ کر وجوہ اتحاد و اشتراک کا خاتمہ نہ کر دے۔

اپنا ذہنی تجزیہ کر کے دیکھ لو کہ آیا تم اصلاح چاہتے ہو یا انقطاع؟ آیا حریف کو ملیامیٹ کرنے کیلئے محاذ کھول رہے ہو؟ — یاد رکھو کہ معقول اختلاف صرف پہلے مقصد کے لئے ہو سکتا ہے، آگے کا میدان مخالفت اور انتقام کا میدان ہے۔

نوٹ کرو کہ تمہیں اختلاف کسی خاص شخص کی ذات یا کسی گروہ کے وجود سے ہے یا کسی خاص نظریہ، اصول اور مسلک سے؟ نظریہ و مسلک سے ہو تو خاص اس نظریہ و

مسلک تک کام کو محدود رکھو۔ اگر شخص یا گروہ کے درپے ہونا ہو تو سمجھ لو کہ معاملہ محض اختلاف کا نہیں ہے یہ اس سے آگے کی کوئی چیز ہے۔

اختلافی بحث میں کسی کوتاہی پر گرفت کرتے ہو تو اس کی خوبیوں اور اس کی خدمات کا اعتراف بھی کرو ورنہ عدم توازن پایا جائے گا، جو اختلاف کو فساد بنا دے گا۔

اختلاف کا موجب خیر و برکت ہونا اس پر منحصر ہے کہ اول تا آخر فضا افہام و تفہیم کی رہے ورنہ اگر مناظرہ اور جدال کا ماحول پیدا ہو جائے تو اس سے فتنے اور تفرقے کے سوا کوئی تعمیری نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

بحث ہمیشہ ظاہری خیال و عمل پر کرو، نیت پر حملہ بے جا حرکت ہے الا یہ کہ حسن ظن کے لئے کھلے کھلے واقعات و شواہد نے تمام دروازے بند کر دیے ہوں۔

اختلاف دلائل کے بل پر کرو، نہ کہ قوت غضبیہ کے بل پر تمہارا جذبہ خیر خواہی کا ہونا چاہئے نہ کہ حریف اور عدو کا سا۔

اختلاف صریحی اور بدیہی امور میں کرو، نہ یہ کہ عبارتوں کی قطع و برید، بال کی کھال کھینچنے اور ذہن ساز تاویل و تشریح کرنے اور بات سے بات پیدا کرنے کے اسالیب سے کام لیکر ہنگامہ آرائی شروع کر دو۔

ہر اختلاف کے بارے میں سوچ لو کہ ایک بار اظہار اختلاف کرنا ہے یا ساری عمر اسی مشغلے میں کھپا دینی ہے؟ اتمام حجت کرنا ہے یا بات منوا کے چھوڑنی ہے؟ موخر الذکر صورت ہمیشہ لاعلم لوگ اختیار کرتے ہیں۔

سوچو کہ کیا اختلاف ایسا ہے جسے لازماً برسر عام لانا چاہئے، اگر ایسا ہے تو تم عوام کو فہم و شعور دینا چاہتے ہو یا ان کو اشتعال دلانا چاہتے ہو یا کیا ایک کھیل تماشہ بہم پہونچانا چاہتے ہو؟ سنجیدہ لوگ ہمیشہ تعلیم و تربیت عوام تک اپنا کام محدود رکھتے ہیں۔

اپنا جائزہ لے کر یہ بھی دیکھو کہ تم صرف منفی ہنگامہ برپا کر رہے ہو یا کوئی مثبت تعمیری مہم بھی زیر عمل ہے اور دونوں میں سے اصل توجہ کس پر صرف کر رہے ہو، یاد رکھو کہ منفی ہنگامے بہت جلد ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ اگر تمہارے حریف کے ہاتھوں مثبت تعمیری کام تم سے زیادہ ہو رہا ہے تو تم کتنی بھی تیغ زنی اس میں کر لو تاریخ کے قوانین اس کو وزن دیں گے۔

جس پر جو گرفت بھی کرو کسی مشترکہ مسلمہ اصول کے تحت کرو، نہ یہ کہ اپنے ذوقیات اور اپنے ذاتی عادات و اطوار کو معیار بنا کے لے آؤ۔ تمہاری ذات کسی کے لئے اتھارٹی اور سند نہیں ہو سکتی۔

دوسرے فریق کے خیالات و مسلک کا مطالعہ ایک عیب جیں حریف بن کر نہیں، ایک طالب علم یا ایک محقق بلکہ ایک جج اور قاضی بن کر کرو اور کھلے دل سے تیار رہو کہ اگر کوئی چیز تمہارے شکوک و شبہات کو دور کر دے تم اپنے خیال سے دستبردار ہو جاؤ گے

ضروری نہیں کہ تمہارا جس سے اختلاف ہو اس کے ہر اعتراض اور ہر شرارت کا ضرور جواب دو اور [illegible] کا مقابلہ صبر سے کرو۔

اگر تم ان امور کو ملحوظ رکھو گے تو بالآخر تم بھی اثر انداز [illegible]

(ماخوذ از چراغ راہ کراچی اگست [illegible])